اصلاحی خطبات

جلد ۱۷

- کسی کا مذاق مت اڑاؤ
- بدگمانی سے بچئے
- جاسوسی مت کیجئے
- غیبت مت کیجئے
- کون سی غیبت جائز ہے
- غیبت کے مختلف انداز
- قومیت کے بت توڑ دو
- جھگڑوں کا بڑا سبب قومی عصبیت
- زبانی ایمان قابل قبول نہیں
- اعتدال کے ساتھ زندگی گزاریں
- صحابہ کی نظر میں دنیا کی حقیقت
- گھر کے کام خود انجام دینے کی فضیلت

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

اصلاحی خطبات
جلد ۱۷
حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
میمن اسلامک پبلشرز

خطاب : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب : مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی۔

تاریخ اشاعت : 2013ء

باہتمام : محمد مشہود الحق کلیانوی : 0313-9205497

ناشر : میمن اسلامک پبلشرز

کمپوزنگ : خلیل اللہ فراز

جلد : 17

قیمت : =/ روپے

حکومت پاکستان کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر

ملنے کے پتے

☆ میمن اسلامک پبلشرز، کراچی۔ 0313-920 54 97

☆ مکتبہ دارالعلوم، کراچی ۱۴۔ ☆ مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار، لاہور۔

☆ دارالاشاعت، اُردو بازار، کراچی۔ ☆ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

☆ ادارۃ المعارف، دارالعلوم، کراچی ۱۴۔

☆ مکتبہ معارف القرآن، دارالعلوم، کراچی ۱۴۔

☆ کتب خانہ اشرفیہ، قاسم سینٹر، اُردو بازار، کراچی۔

☆ مکتبۃ العلوم، سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی۔

☆ مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی، نزد جامعہ فاروقیہ، کراچی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

الحمد للہ و کفٰی، و سلامٌ علی عبادہ الذین اصطفٰی، امّا بعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے، اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، آمین

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہٗ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا، جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب پانچ سو تک ہو گئی ہے، انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہٗ نے قلمبند بھی فرمالیں، اور ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا، اب وہ ان تقاریر کا ایک مجموعہ ''اصلاحی خطبات'' کے نام سے شائع

کررہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے، اور مولانا موصوف نے ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئی ہیں، انکی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کردیے ہیں، اس طرح ان کی افادیت اور بھی بڑھ گئی۔

ان کتاب کے مطالعہ کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے، جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں، بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے، تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے، لیکن الحمدللہ ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نه به حرف ساخته سر خوشم، نه به نقش بسته مشوشم
نفسے بیاد تو می زنم، چه عبارت و چه معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذریعہ آخرت ثابت ہوں، اللہ تعالیٰ نے مزید دعا ہے کہ وہ ان خطابت کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں، آمین

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم کراچی ۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

الحمد للہ ''اصلاحی خطبات'' کی سترہویں جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں، سولہویں کی مقبولیت اور افادیت کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے سترہویں جلد کو جلد از جلد شائع کرنے کا شدید تقاضا ہوا، اور اب الحمد للہ دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف دو سال کے عرصے میں یہ جلد تیار ہو کر سامنے آگئی، اس جلد کی تیاری میں برادر مکرم جناب مولانا عبد اللہ میمن صاحب نے اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات انتھک محنت اور کوشش کر کے سترہویں جلد کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے، اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے، آمین

تمام قارئین سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو مزید آگے جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے، اور اس کے لئے وسائل اور اسباب میں آسانی پیدا فرمائے، اور اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

طالب دعا

محمد مشہود الحق کلیانوی

اجمالی فہرست

جلد ۱۷

فہرستِ مضامین (تفصیلی فہرست)

عنوان	صفحہ نمبر

﴿کسی کا مذاق مت اُڑاؤ﴾

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

غیبت مت کیجئے

عنوان	صفحہ نمبر

کون سی غیبت جائز ہے؟

غیبت کے مختلف انداز

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

وحدتِ اسلامی کس طرح قائم ہو؟

عنوان	صفحہ نمبر
حضرت بلالؓ باعزت ہیں	۱۴۶
عزت کا تعلق قبیلے پر نہیں	۱۴۷
اتحاد کی بنیاد دین ہے	۱۴۸
لڑائی کا ایک واقعہ	۱۴۹
یہ بدبودار واقعہ	۱۵۰
یہ منافقین کی چال تھی	۱۵۱
سب مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں	۱۵۲

جھگڑوں کا بڑا سبب قومی عصبیت

تمہید	۱۵۵
جھگڑے کے مختلف اسباب	۱۵۶
جھگڑے کا ایک اور سبب ''قومی عصبیت''	۱۵۷
شرافت کی بنیاد خاندان نہیں	۱۵۷
عزت کی بنیاد ''تقویٰ'' ہے	۱۵۸
اہل عرب اور قبائلی عصبیت	۱۵۹
حضرت بلالؓ کا مقام	۱۵۹
حضرت زائدؓ کا مقام	۱۶۰
حجۃ الوداع میں اہم اعلان	۱۶۱
جب تک مسلمان متحد رہے	۱۶۱
صلیبی جنگیں اور کامیابی	۱۶۲

عنوان	صفحہ نمبر

﴿زبانی ایمان قابل قبول نہیں﴾

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

﴿اللہ سے ڈرو (۱)﴾

اللہ سے ڈرو (۲)

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمن الرحیم
مایلفظ من قول الا لدیه رقیب عتید
(سورۃ ق: ۱۸)
یعنی زبان سے جو لفظ نکل رہا ہے۔
وہ تمہارے نامہ اعمال میں ریکارڈ ہو رہا ہے۔

کسی کا مذاق مت اُڑاؤ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کسی کا مذاق مت اُڑاؤ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ ج وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ط بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ج وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ○

(سورۃ الحجرات: ۱۱)

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجرات میں معاشرتی زندگی سے متعلق بہت اہم ہدایات عطا فرمائی ہیں، جن کا بیان پچھلے چند جمعوں سے

چل رہا ہے، جو آیت میں نے ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، اس میں بھی بہت اہم ہدایت اللہ تعالیٰ نے دی ہے، اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم میں سے کچھ لوگ دوسرے لوگوں کا مذاق نہ اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ جن کا مذاق اڑایا جارہا ہے وہ مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں، اور عورتیں بھی دوسری عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں، کیا بعید ہے کہ جن عورتوں کا مذاق اڑایا جارہا ہے وہ مذاق اڑانے والیوں سے زیادہ بہتر ہوں، اور ایک دوسرے کو طعنے مت دیا کرو، اور ایک دوسرے کو برے ناموں سے مت پکارا کرو، ایمان لانے کے بعد سب سے بری بات یہ ہے کہ انسان کو فاسق کہا جائے، گناہ گار اور بدکار کہا جائے، اور جو ان کاموں سے توبہ نہیں کریں گے، وہ بڑے ظالم لوگ ہیں۔ یعنی آخرت میں ان کو اپنے اعمال کا حساب چکانا ہوگا۔ یہ تو اس آیت کا ترجمہ تھا۔

کسی کا مذاق مت اڑاؤ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین کاموں سے منع فرمایا ہے، اور ان کو حرام قرار دیا ہے، نمبر ایک: کسی بھی شخص کا مذاق اڑانا، نمبر دو: طعنے دینا، نمبر تین: ں شخص کا برا نام رکھ کر اس کو اس نام سے پکارنا۔ ان تین کاموں سے منع فرمایا ہے، اور آخر میں فرمایا کہ اگر تم ان تین کاموں سے توبہ نہیں کرو گے تو تمہارا حشر ظالموں کے ساتھ ہوگا۔ ان میں سے پہلا کام ہے کسی کا مذاق اڑانا۔ قرآن کریم نے بڑی تاکید کے ساتھ فرمایا ہے کہ نہ مرد کسی مرد کا مذاق اڑائے، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں۔ مذاق اڑانے کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے کے ساتھ ایسا تمسخر آمیز سلوک کرنا جس سے دوسرے کو اپنی تحقیر محسوس ہو، تذلیل محسوس ہو، یہ بڑا سخت گناہ ہے، اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک باپ کی اولاد بنایا ہے، اور سب

انسان ایک اللہ کے بندے ہیں، ایک ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں، لہٰذا کسی کو دوسرے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں، ہاں ''تقویٰ'' ایک ایسی چیز ہے جو ایک کو دوسرے پر فوقیت دلانے والی ہے۔ لہٰذا کسی کا مذاق اڑا کر اس کی تذلیل کرنا، یا اس کی تحقیر کرنا اللہ جل شانہ کو بہت ناپسند ہے۔

مذاق اڑانے کا سبب اپنے کو بڑا سمجھنا

کیونکہ جب کسی شخص کا مذاق اڑایا جاتا ہے تو اس کے دو سبب ہوتے ہیں، ایک سبب مذاق اڑانے کا یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو دوسرے سے اونچا سمجھتا ہے، دوسرے سے بڑا اور افضل سمجھتا ہے کہ میں تو اعلیٰ درجے کا آدمی ہوں، اور جس کا مذاق اڑا رہا ہے، وہ ذلیل اور حقیر آدمی ہے، اس سبب سے وہ اس کا مذاق اڑاتا ہے، اور یہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، اور اپنی بڑائی دل میں لانا، اور اپنے آپ کو دوسرے سے افضل و اعلیٰ سمجھنا یہ بذات خود بہت بڑا گناہ ہے، اس لئے کہ یہ ''تکبر'' ہے، جس کو بدترین گناہ قرار دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

الکبریاء ردائي فمن ینازعني فیه عذبته (مسلم۔ ج:۲۔ ص:۳۲۹)

بڑائی تو میری چادر ہے، (اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بڑائی زیب نہیں دیتی) اور جو شخص میری اس چادر میں مجھ سے جھگڑا کرے گا، میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔

لہٰذا اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا اور افضل سمجھنا مذاق اڑانے کا پہلا سبب ہے۔

دوسرا سبب: دوسرے کو حقیر سمجھنا

مذاق اڑانے کا دوسرا سبب دوسروں کو حقیر سمجھنا ہوتا ہے، دوسروں کو حقیر سمجھنے کی وجہ سے آپ اس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ اول تو اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی کوئی

بنیاد نہیں، کچھ پتہ نہیں کہ کل تمہارا کیا انجام ہونے والا ہے، کس بات پر اتراتے ہو؟ کیا اپنی دولت پر اتراتے ہو؟ ارے تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، جب چاہیں اللہ تعالیٰ اس کو واپس لے لیں، آپ نے ایسے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہوگا جو دولت میں کھیلتے تھے، لیکن جب حالات بدلے تو فقیر ہو کر رہ گئے، اور سب کچھ جاتا رہا۔ کیا اپنی صحت اور قوت پر اتراتے ہو؟ ارے یہ صحت اور قوت نہ جانے کتنے دن کی ہے، جب چاہیں اللہ تعالیٰ واپس لے لیں، بیٹھے بیٹھے کسی بیماری کا حملہ ہو جائے، اور پھر چلنے پھرنے کے بھی قابل نہ رہو۔ لہٰذا کس بات پر اتراتے ہو؟ اترانے کا کوئی موقع نہیں، بلکہ اللہ جل شانہ نے جو نعمت تمہیں عطا کی ہے، اس کا شکر ادا کرو کہ اے اللہ! آپ نے اپنے فضل و کرم سے یہ نعمت مجھے عطا فرما دی، اور پھر اس نعمت کا حق ادا کرو، اور اس کو صحیح مصرف میں استعمال کرو، اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اس نعمت پر اترا کر اور تکبر میں مبتلا ہو کر دوسروں کی تحقیر شروع کر دو، اور دوسروں کا مذاق اڑانا شروع کر دو۔ کس بات پر آدمی اپنے آپ کو بڑا سمجھے؟ دولت پر، عزت پر، شہرت پر، صحت و قوت پر، علم پر، کس چیز پر انسان ناز کرے؟ یہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا ہیں، جب چاہیں واپس لے لیں۔

اپنی صلاحیت پر اتراتے ہو

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب عارفی نور اللہ مرقدہٗ، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا اونچا مقام بخشا تھا، وقت کے ولی اللہ تھے، ایک دن بیٹھے تحریر لکھ رہے تھے، تحریر مکمل کرنے کے بعد دستخط کرنا چاہ رہے تھے تو دستخط کرنے میں کچھ دیر لگ گئی، فرمانے لگے کہ دیکھو انسان کے علم کی حالت یہ ہے کہ آج جب میں دستخط کرنا چاہ رہا تھا تو میں بھول گیا، اور سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیسے دستخط کروں، حالانکہ

روزانہ نہ جانے کتنی مرتبہ دستخط کرتا ہوں، اور اس وقت سمجھ میں نہیں آرہا تھا، چند لمحے سوچنے میں لگے کہ کس طرح دستخط کیے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انسان کو دکھاتے رہتے ہیں کہ تم اپنی کسی صلاحیت پر اترانے کے قابل نہیں، اس لئے کہ جب ہم چاہیں، اس صلاحیت کو واپس لے سکتے ہیں۔ لہٰذا کوئی نعمت ایسی نہیں ہے جس پر انسان اترائے، اور اس کے نتیجے میں اپنے کو دوسروں سے افضل سمجھنے لگے، یہ زبردست دھوکہ ہے۔

نہیں معلوم کہ میں کتے سے بہتر ہوں

ایک بزرگ غالباً حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ راستے سے گزر رہے تھے تو کسی بدخصلت انسان نے حضرت کو برا بھلا کہا، اللہ کے نیک بندوں کے دشمن بھی ہوتے ہیں، بدخواہ بھی ہوتے ہیں، اور اس نے حضرت سے کہا کہ تم تو کتے سے بھی بدتر ہو، حضرت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ایک مرید نے کہا کہ حضرت! یہ شخص آپ کی شان میں اتنی گستاخی کر رہا ہے، آپ کو کتے سے بدتر کہہ رہا ہے، آپ نے اس کی بات کی طرف کوئی التفات ہی نہیں کیا؟ حضرت نے فرمایا میں اس کا کیا جواب دوں، اس لئے کہ خود مجھے بھی پتہ نہیں کہ میں واقعۃً کتے سے بدتر ہوں یا نہیں؟ اس لئے کہ یہ پتہ تو مجھے اس وقت چلے گا جب میں مرنے کے بعد اللہ کی بارگاہ میں پہنچوں گا، اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے بخش دیا، اور جنت عطا فرمادی، تب تو یہ کہہ سکوں گا کہ واقعی میں کتے سے بہتر ہوں، لیکن جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش نہیں ہوتی، اور جنت کا پروانہ نہیں ملتا، بلکہ جہنم کا دھڑکہ لگا ہوا ہے، اگر خدانہ کرے اللہ تعالیٰ مجھے جہنم میں ڈال دیں تو پھر میں کتے سے بدتر ہوں گا، اس لئے کہ کتے کے لئے حساب وکتاب نہیں ہے، اس کو جہنم

میں بھی نہیں ڈالا جائے گا۔ لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے نہ بخشا تو یہ شخص واقعۃً ٹھیک کہہ رہا ہے کہ میں کتے سے بدتر ہوں۔

اللہ کی بارگاہ میں حقیقت کھل جائے گی

واقعہ یہ ہے کہ تم چاہے اپنے آپ کو کتنا ہی بڑا سمجھ لو، کسی بھی بڑے سے بڑے عہدے اور منصب پر پہنچ جاؤ، کسی ملک کے سربراہ بن جاؤ، صدر بن جاؤ، وزیراعظم بن جاؤ، ساری دنیا تمہارے ہاتھ چومنے لگے، تمہاری تعظیم کرنے لگے، لیکن حقیقت کا پتہ اس وقت چلے گا جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری ہو گی کہ واقعی تم تعظیم کے مستحق تھے یا نہیں، لہٰذا کس بات پر اکڑتے ہو؟ کس بات پر اتراتے ہو؟ لہٰذا اپنے کو دوسروں سے بڑا سمجھنا یہ اتنا بڑا دھوکہ ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں ہے۔ اسی طرح دوسرے کو حقیر سمجھنا، اور اس کی وجہ سے دوسرے کا مذاق اڑانا، ارے کس بنیاد پر دوسرے کو حقیر سمجھ رہے ہو؟ کیا اس وجہ سے کہ وہ بیچارہ مال و دولت کے اعتبار سے کمزور ہے اور غریب ہے؟ تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس غریب لوگوں کے لئے بڑے درجات رکھے ہیں، جن کے پاس مال و دولت تو نہیں ہے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو اپنا مقرب بندہ قرار دیا ہے۔

غریب جنت میں پہلے جائیں گے

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ غریب لوگ امیروں کے مقابلے میں ستر سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے، کیونکہ جس شخص کے پاس جتنی دولت ہے، اس کو اتنا ہی حساب زیادہ دینا ہوگا، ایک ایک پیسہ کا حساب دینا ہوگا کہ کہاں سے کمایا تھا، اور کہاں پر خرچ کیا تھا، اور جو غریب لوگ ہیں ان کا تو یہ حال ہے کہ:

لنگ کے زیر و لنگ کے بالا
نے غم دزد و نے غم کالا

ان کا تو یہ حال ہے کہ ایک چادر اوپر، اور ایک چادر نیچے ہے، نہ ان کو چور کا ڈر، نہ ان کو سانپ کا ڈر۔ ان کے پاس تو دولت ہی نہیں تو حساب و کتاب کس کا دیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص دیکھنے میں غریب نظر آرہا ہے تو وہ حقارت کے لائق نہیں، کیا پتہ تمہیں وہ دنیا و آخرت میں تمہیں کتنا پیچھے چھوڑ جائے۔

وہ اللہ کا مقرب بندہ ہو

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رب اشعث اغبر مدفوع بالابواب لو اقسم علی اللہ لا برہ (او کما قال)

یعنی بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے بال بکھرے ہوئے ہیں، چہرے پر مٹی جمی ہوئی ہے، جب وہ لوگوں کے دروازوں پر جاتے ہیں تو لوگ دھکے دے کر بھگا دیتے ہیں، لیکن اللہ کے ہاں ان کی قدر و قیمت اتنی زیادہ ہے کہ اگر وہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے قسم کھالیں کہ ایسا ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو سچا کر کے دکھا دیتے ہیں، مثلاً اگر قسم کھالیں کہ بارش ہوگی تو اللہ تعالیٰ بارش برسا دیں گے۔ بہر حال! اگر سامنے سے دیکھنے میں کوئی شخص غریب نظر آرہا ہے تو اس کی غربت اور فقر کی وجہ سے کبھی بھی اس کو حقیر مت سمجھنا، اس لئے کہ درجہ کے اعتبار سے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہ جانے تم سے کتنا بلند و بالا ہو۔ ٹھیک ہے تمہارے پاس کوٹھی ہے، بنگلے ہیں، کاریں ہیں، دولت ہے، لیکن اس کے پاس اللہ تعالیٰ کے قرب کی دولت ہے جو تمہاری دولت سے کہیں زیادہ بلند و برتر ہے، اس لئے اگر کسی کو مالی اعتبار سے

کم درجے کا دیکھو تو اس کو حقیر مت جانو۔

گناہ کو حقیر سمجھو، نہ کہ گناہ گار کو

یہاں تک کہ اگر ایک شخص کسی برائی یا کسی گناہ میں مبتلا ہے، اس گناہ کو اور اس برائی کو حقیر سمجھو، لیکن اس آدمی کو حقیر نہ جانو، اس لئے کہ اس کا وہ عمل جو تمہیں نظر آرہا ہے، وہ بیشک گناہ ہے، برائی ہے، لیکن تمہیں اس کے اندرونی حالات کا کیا پتہ، ہو سکتا ہے کہ اس کا کوئی عمل ایسا ہو جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جائے، اور اس کے گناہ اور اس کی برائی کا کفارہ ہو جائے، لہٰذا اس کی برائی اور گناہ کو بیشک حقیر سمجھو، لیکن اس آدمی کو حقیر نہ جانو، اس لئے کسی بھی اعتبار سے کسی بھی انسان کو حقیر سمجھنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

مذاق اڑانے کی گنجائش نہیں

اور جب حقیر سمجھنے کی گنجائش نہیں، تو مذاق اڑانے کی بھی گنجائش نہیں، اس لئے فرمایا کہ "لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ" کوئی شخص دوسرے کا مذاق نہ اڑائے، اور آگے یہ بھی فرمایا "عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ" کچھ بعید نہیں کہ جس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تم سے بدرجہا بہتر ہو۔ اور نہ مرد کسی مرد کا مذاق اڑائے، اور نہ عورت کسی عورت کا مذاق اڑائے۔

کون سا مذاق جائز ہے؟

یہاں یہ وضاحت بھی کر دوں کہ یہاں مذاق سے مراد وہ مذاق ہے جس میں دوسرا انسان اپنی ذلت محسوس کرے، اور اس مذاق سے اس کی دل شکنی ہو، اس سے اس کا دل ٹوٹے، ایسا مذاق کرنا حرام ہے۔ البتہ دوست احباب آپس کی بے

تکلفی میں ہنسی مذاق کر لیتے ہیں، جس سے کسی کا دل نہیں دکھتا، اور جس سے کسی کی تحقیر اور تذلیل نہیں ہوتی، ایسا مذاق منع نہیں، بلکہ جائز ہے، اس لئے کہ اس سے کسی کی تحقیر یا تذلیل مقصود نہیں، بلکہ دل خوش کرنا مقصود ہے، یہ گناہ نہیں، بلکہ جائز ہے جب تک اس مذاق میں جھوٹ شامل نہ ہو، خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا مذاق کرنا ثابت ہے۔

بوڑھی جنت میں نہیں جائے گی

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بوڑھی خاتون نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے لئے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل فرمادیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی۔ یہ سن کر وہ پریشان ہوگئی، اور رونے لگی، آپ نے پوچھا کہ کیوں روتی ہو؟ اس نے جواب دیا: آپ نے فرمایا کہ بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی، اور میں تو بوڑھی ہوں، آپ نے فرمایا کہ بوڑھی ہونے کی حالت میں جنت میں نہیں جائے گی، بلکہ وہ جوان ہو کر جائے گی۔ اب دیکھئے! یہ جملہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دل لگی کے طور پر اور مذاق کے طور پر اور خوش طبعی کے طور پر ارشاد فرمایا، بعد میں وہ خاتون بھی ہنسنے لگی کہ آپ نے کیسی بات فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذاق فرمایا، جو بڑا لطیف تھا، اور اس میں کوئی جھوٹ بات بھی نہیں تھی، غلط بات بھی نہیں تھی، اور تھوڑی دیر کے لئے خوش طبعی بھی ہوگئی۔ ایسا مذاق جائز ہے۔

ہر اونٹ کسی کا بچہ ہوگا

روایت میں آتا ہے کہ ایک صاحب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس سواری کے لئے کوئی اونٹ نہیں ہے، کوئی ایسا اونٹ دیدیں جس پر میں سواری کر سکوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ ہم تمہیں ایک اونٹ کا بچہ دیدیں گے، وہ صاحب کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! میں اونٹ کا بچہ لے کر کیا کروں گا؟ مجھے تو سواری کے لئے اونٹ چاہیے۔ آپ نے فرمایا کہ جو اونٹ میں تمہیں دوں گا وہ بھی تو کسی اونٹ کا بچہ ہی ہوگا۔ آپ نے مذاق کے طور پر یہ بات ارشاد فرمائی، اور کتنی لطیف بات کہ اس میں کوئی غلط بیانی نہیں، کوئی جھوٹ نہیں، اس کے ذریعے تھوڑی سی دل لگی اور خوش طبعی بھی ہوگئی۔

اللہ کے نزدیک بڑی قیمت ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک دیہاتی آدمی تھے، جن کا نام زاہد تھا، دیہات میں رہتے تھے، اور کبھی کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ آیا کرتے تھے، سیاہ فام تھے، جب وہ آپ کے پاس آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ملاطفت اور خوش طبعی کا معاملہ فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی بازار میں تشریف لے جارہے تھے، آپ نے دیکھا کہ سامنے زاہد کھڑے ہوئے ہیں، اور ان کی پشت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھی، اس لئے وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھ رہے تھے، آپ پیچھے سے خاموشی سے ان کے قریب گئے، اور جا کر ان کی آنکھوں پر دست مبارک رکھ دیے، اور یہ آواز دینی شروع کر دی کہ یہ غلام مجھ سے کون خریدے گا؟ شروع میں وہ گھبرا گئے کہ معلوم نہیں مجھے کس نے پکڑ لیا، لیکن جب آواز پر غور کیا تو پتا چلا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز ہے، اور آپ نے مجھے اس طرح پکڑا ہوا

ہے تو وہ اور زیادہ اپنے جسم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم سے متصل کرنے لگے، اور فرمانے لگے کہ یا رسول اللہ! اگر آپ اس غلام کو بیچیں گے تو اس کی کوئی قیمت نہیں دے گا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لکن عند الله لست بکاسد" یعنی تم تو یہ کہہ رہے ہو کہ میں بے قیمت ہوں، لیکن اللہ کے نزدیک بے قیمت نہیں ہو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہاری بہت بڑی قیمت ہے۔

مذاق کرنے پر سنت کا ثواب

اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے ساتھ اور ازواج مطہرات کے ساتھ پاکیزہ اور لطیف مذاق کیا، جس میں جھوٹ اور دھوکہ نہیں تھا، جس میں کسی کی تحقیر اور تذلیل نہیں تھی۔ ایسا مذاق کرنا جائز ہے، بلکہ اگر کسی کا دل خوش کرنے کے لئے کیا جائے تو موجب اجر و ثواب ہے، اور اگر ایسے مذاق میں یہ نیت کر لی جائے کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں کر رہا ہوں تو انشاء اللہ اس پر بھی اجر و ثواب ملے گا۔ لہٰذا بے تکلف افراد کے درمیان ایسے مذاق کرنے سے شریعت نے منع نہیں کیا، جس سے کسی کا دل نہ ٹوٹے، اور جس سے کسی کی تذلیل اور تحقیر نہ ہو۔

مذاق اڑانے کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے تو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کسی عورت کا ذکر کیا، وہ عورت پستہ قد تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس عورت کا ذکر کرتے ہوئے ہاتھ کے ذریعے اس کے پستہ قد ہونے کی طرف اشارہ کیا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ان کو ٹوکا، اور فرمایا کہ یہ تم نے بڑی خطرناک بات کی ہے، اور اس کے نتیجے

میں فضا میں بدبو پھیل گئی ہے، اس لئے کہ تم نے ایک مسلمان کا بے عزتی کے انداز میں تذکرہ کیا، اور اس کا مذاق اڑایا، اور فرمایا کہ آئندہ ہرگز ایسا نہ کرنا، اس لئے کہ یہ بھی غیبت کا ایک حصہ ہے اور ناجائز ہے۔ بہرحال! کسی کا اس طرح مذاق اڑانا جس سے اس کی تذلیل اور تحقیر ہو، قرآن کریم نے اس سے منع فرمایا ہے، اور اس کو حرام قرار دیا ہے۔

عورتیں بھی مذاق نہ اڑائیں

آگے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا الگ ذکر فرمایا کہ:

وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ

یعنی عورتیں عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ جن کا مذاق اڑایا جارہا ہے، وہ مذاق اڑانے والی عورتوں سے بہتر ہوں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کا علیحدہ ذکر فرمادیا، اگر اللہ تعالیٰ عورتوں کا ذکر علیحدہ نہ بھی فرماتے، تب بھی آیت سے یہ سمجھ میں آجاتا کہ جو حکم مردوں کا ہے، وہ ہی حکم عورتوں کا بھی ہے، مردوں کے لئے مذاق اڑانا ناجائز ہے، تو عورتوں کے لئے بھی مذاق اڑانا ناجائز ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا ذکر علیحدہ بظاہر دو حکمتوں کی وجہ سے فرمایا، ایک تو تاکید کے لئے، اس لئے کہ کسی خاتون کے دل میں یہ خیال آسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کا ذکر فرمایا، عورتوں کا ذکر نہیں کیا، اس کے ذریعے بتادیا کہ عورتوں کا بھی وہی حکم ہے، جو مردوں کا ہے۔

ایک عجیب نکتہ

دوسری وجہ یہ ہے کہ مذاق اڑانے اور دوسروں کو حقیر سمجھنے کی صفت عورتوں میں زیادہ پائی جاتی ہے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بطور خاص عورتوں کا ذکر فرمایا۔

ایک تیسرا نکتہ اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ مرد مردوں کا مذاق نہ اڑائیں، اور عورتیں عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں، لیکن اگر مرد عورتوں کا مذاق اڑائیں، یا عورتیں مردوں کا مذاق اڑائیں، اس کا حکم براہ راست آیت میں موجود نہیں، حالانکہ ظاہر بات ہے کہ وہ بھی حرام ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے صرف یہ بیان فرمایا کہ مرد مردوں کا مذاق نہ اڑائیں، اور عورتیں عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں۔ اس کے ذریعے یہ بتادیا کہ در حقیقت مسلمان معاشرے کی یہ خاصیت ہے کہ مرد اور عورت آپس میں مخلوط نہیں ہو سکتے، مردوں کی مجلس علیحدہ ہوتی ہے، عورتوں کی مجلس علیحدہ ہوتی ہے، لہٰذا مسلمان معاشرے کا اصل طریقہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی مجلس ہو تو مردوں کی مجلس الگ ہونی چاہیے، عورتوں کی مجلس الگ ہونی چاہیے، اور جب مردوں کی مجلس الگ ہوگی اور عورتوں کی مجلس الگ ہوگی، تو مرد اگر مذاق اڑائیں گے تو مردوں کا مذاق اڑائیں گے، عورتیں اگر مذاق اڑائیں گی تو عورتوں کا اڑائیں گی۔ اس میں اشارہ اس طرف کردیا کہ معاشرے میں یہ جو رواج چل پڑا ہے کہ مرد اور عورت سب اکٹھے ہیں، شادی بیاہ میں، تقریبات میں، جلسوں میں مرد عورت ایک جگہ پر جمع ہیں، یہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، مردوں کی نشست الگ ہونی چاہیے، عورتوں کی نشست الگ ہونی چاہیے، یہ شریعت کا بہت اہم حکم ہے، آج اس حکم کو پامال کیا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس ہدایت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

بہر حال! ایسا مذاق اڑانا جس سے دوسرے کی تذلیل ہو، جس سے دوسرے کا دل ٹوٹے، اور دوسرا اس میں اپنی سبکی محسوس کرے، ایسا مذاق اڑانے کو قرآن کریم نے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، اور فرمایا ہے کہ اگر تم اس سے توبہ نہیں کرو گے تو تمہارا حشر ظالموں جیسا ہوگا۔ ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں، باہمی

تعلقات میں بسا اوقات اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو فراموش کر دیتے ہیں، اور دوسروں کی تحقیر کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔ بہر حال! یہ پہلی چیز ہے جس کو اس آیت میں منع کیا گیا ہے، اگر زندگی رہی تو انشاء اللہ آئندہ جمعہ کو دوسرے کاموں کے بارے میں کچھ عرض کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اصلاح کی توفیق عطا فرمائے، اور قرآن کریم کے اس حکم پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

طعن و تشنیع سے بچیے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱/۱۸۸۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طعن و تشنیع سے بچیے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۚ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ○

(سورۃ الحجرات:۱۱)

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! سورۃ الحجرات کی تفسیر کا بیان کچھ عرصے سے چل رہا ہے، اور اس سورت کا دوسرا رکوع گذشتہ جمعہ کو شروع کیا تھا، پہلے رکوع کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو باہمی جھگڑوں سے منع کیا، اور اگر کہیں مسلمانوں کے درمیان کوئی نا اتفاقی یا کوئی چپقلش یا کوئی جھگڑا کھڑا ہو جائے تو دوسرے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ ان کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کریں۔ اب دوسرے رکوع میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہ خاص اسباب ذکر فرمائے ہیں، جن سے عموماً جھگڑا کھڑا ہوتا ہے، اگر ان اسباب کا سدباب کر دیا جائے تو جھگڑے کھڑے ہی نہ ہوں، مصالحت کی ضرورت تو اس وقت پیش آتی ہے جب جھگڑا کھڑا ہو جائے، لیکن اصل بات یہ ہے کہ جھگڑا کھڑا ہونے ہی نہ دیا جائے، اور ان اسباب کا خاتمہ کیا جائے جن سے عموماً لوگوں کے درمیان اختلاف اور انتشار اور جھگڑا پیدا ہوتا ہے۔

جھگڑوں کا پہلا سبب "مذاق اُڑانا"

لہٰذا اس دوسرے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے پہلا یہ حکم دیا کہ مسلمان ایک دوسرے کا مذاق نہ اُڑائیں، اور مذاق نہ اُڑانے کا جو حکم دیا، اس کے ساتھ اس کی بنیاد اور جڑ پر بھی اللہ تعالیٰ نے ہاتھ رکھ دیا، اور یہ فرمایا کہ تم جس شخص کو حقیر سمجھ کر اس کا مذاق اُڑا رہے ہو، کچھ پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں وہ تم سے کتنا افضل اور بہتر ہو، اگرچہ دیکھنے میں وہ کمزور اور مسکین اور بے حیثیت نظر آرہا ہے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں معلوم نہیں کیا مقام ہو، لہٰذا اگر تمہارے دل میں کسی کا مذاق اُڑانے کا داعیہ پیدا ہو تو دل میں یہ بات لے آؤ

کہ کیا پتہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس شخص کے اندر کیا خوبی رکھی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا کیا مقام ہے، یہ موضوع گذشتہ جمعہ میں بقدر ضرورت الحمدللہ بیان ہوگیا، اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

جھگڑوں کا دوسرا سبب ''طعنے دینا''

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ'' یعنی تم ایک دوسرے کو طعنے مت دیا کرو، ''لمز'' کے معنی عربی زبان میں یہ ہیں کہ کسی شخص کے منہ پر اس کا کوئی عیب بیان کرنا، اور اس عیب کی وجہ سے اس کو طعنہ دینا۔ دیکھیے! ایک بات تو یہ ہے کہ آپ نے کسی کے اندر کوئی برائی دیکھی، اور اس کی اصلاح کی غرض سے، خیر خواہی کی نیت سے آپ نے اس کو تنہائی میں محبت اور پیار سے سمجھایا کہ بھائی! یہ بات اچھی نہیں، آپ کے لئے دنیا وآخرت میں مضر ہے، اس کو چھوڑ دو۔ یہ طعنہ نہیں، بلکہ یہ خیر خواہی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید فرمائی ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا آئینہ ہونا چاہیے، جیسے اگر کسی کے چہرے پر کوئی عیب لگ گیا، اب چونکہ وہ اپنے چہرے کو خود نہیں دیکھ سکتا، اس لئے جب وہ آئینہ دیکھتا ہے تو وہ آئینہ اس کو بتادیتا ہے کہ تمہارے چہرے پر یہ داغ لگا ہوا ہے۔ جس طرح آئینہ اس کو بتادیتا ہے کہ تمہارے اندر یہ عیب ہے، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اَلْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ'' ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ ہے، جیسے ایک آدمی کو اپنی خرابی خود نظر نہیں آرہی ہے، دوسرا مسلمان بھائی اس کو محبت اور پیار سے بتادیتا ہے کہ بھائی! تمہارے اندر یہ بات ہے، اس کو ذرا درست کرلو، تمہارے حق میں دنیا و

آخرت کے اعتبار سے بہتر ہوگا۔

دوسروں کو خیر خواہی سے متوجہ کرو

لیکن یہ بات یاد رکھیے کہ آئینہ صرف اس شخص کو خرابی بتاتا ہے جس کے اندر وہ خرابی ہوتی ہے کہ تمہارے اندر یہ خرابی ہے، لیکن وہ آئینہ دوسروں کے سامنے گاتا نہیں پھرتا کہ فلاں کے اندر یہ خرابی ہے، صرف اس شخص کو بتاتا ہے، اور وہ بھی پیار و محبت اور اپنائیت سے بتاتا ہے، شفقت اور خیر خواہی سے بتاتا ہے، یہ منع نہیں، یہ جائز ہے، بلکہ فضیلت کی بات ہے۔ لیکن ایک ہوتا ہے طعنہ دینا، یعنی اس کی برائی اس کے منہ پر اس طرح بیان کرنا کہ جس سے اس کا دل دکھے، جس سے اس کی توہین اور تذلیل ہو، ایسی بات اس کے منہ پر کہنا "لمز" ہے، جس کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا "وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ" ایک دوسرے کو طعنہ مت دو۔ اور یہ طعنہ دینا بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ ہو، دونوں صورتوں میں حرام ہے، اور اتنا سخت حرام ہے کہ قرآن کریم کی سورت "ہمزہ" اسی کے بارے میں نازل ہوئی، جس میں فرمایا "وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ" یعنی دردناک عذاب ہے اس شخص کے لئے جو دوسروں کی ان کے پیٹھ کے پیچھے توہین کرتا ہے، یا ان کے منہ پر طعنے دیتا ہے، اور ان کی تذلیل کرتا ہے،

طعنہ دینے والوں کے لئے سخت وعید

پھر اسی سورت میں آگے ارشاد فرمایا:

كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ

یاد رکھو! ایسا شخص اس آگ میں ڈال دیا جائے گا جو اپنے اندر پڑی ہوئی ہر چیز کو ملیامیٹ کر دینے والی ہے، اور تمہیں کیا پتہ وہ "حُطَمَة" کیا چیز

ہے؟ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے، جو انسان کے دلوں تک جھانک لے گی۔ اتنی زبردست وعید اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے، یہ اس شخص کے لئے ہے جو دوسروں کی توہین کرے، چاہے پیٹھ پیچھے کرے یا منہ پر کرے۔

یہ سب طعنہ کے اندر داخل ہیں

حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ طعنہ دینا چاہے زبان سے ہو، چاہے اپنے کسی عمل سے ہو، مثلاً آپ نے کسی کی نقل اتار لی، جس کے نتیجے میں وہ اپنی توہین محسوس کر رہا ہے، یا اشارے سے اس کے کسی عیب کو تحقیر کے انداز میں بیان کیا، جیسے کوئی پستہ قد ہو، اور ہاتھ سے اس کے پستہ قد ہونے کی طرف اشارہ کریں، یہ سب طعنہ دینے میں داخل ہیں، اور حرام ہیں۔

جواباً وہ تمہیں طعنہ دے گا

ساتھ میں یہاں ایک اور عجیب بات اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہے، وہ قابل غور ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ'' جس کا ٹھیٹ لفظی ترجمہ کریں تو یہ بنتا ہے کہ ''اپنے آپ کو طعنہ مت دو'' حالانکہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ ایک دوسرے کو طعنے مت دو، لیکن الفاظ یہ لائے کہ اپنے آپ کو طعنے مت دو، اس طرز کلام سے دو باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے، ایک یہ کہ اگر تم کسی دوسرے کو طعنہ دو گے، اور اس کی تحقیر و تذلیل کرو گے تو تمہارے طعنے کے جواب میں وہ تمہیں طعنے دے گا، لہٰذا تمہارا دوسروں کو طعنہ دینا درحقیقت انجام کے اعتبار سے خود اپنے آپ کو طعنہ دینا ہے، اگر تم اس کو طعنہ نہ دیتے تو وہ بھی تمہیں طعنہ نہ دیتا، لیکن جب تم نے اسے طعنہ دیا تو وہ بھی جواباً

تمہیں طعنہ دے گا، اس لئے تم اپنے آپ کو طعنہ دلوانے کا سبب بن گئے۔

بھائی کی توہین اپنی توہین ہے

دوسری بات وہ جو پہلی بات سے گہری ہے، وہ یہ کہ ہم تو پہلے ہی یہ کہہ چکے ہیں کہ ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ'' یعنی سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، جب بھائی بھائی ہیں تو اب اگر تم کسی دوسرے مسلمان کو طعنہ دے رہے ہو، اس کی تحقیر و تذلیل کر رہے ہو تو تم اپنے بھائی کی تذلیل کر رہے ہو۔ اگر تمہارے کسی بھائی کی تمہارے سامنے توہین کی جائے تو حقیقت میں تمہاری اپنی توہین ہے، لہٰذا جب اپنے نسبی بھائی کی توہین کو اپنی توہین سمجھتے ہو تو جن لوگوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہارا دینی بھائی بنایا ہے، اس لئے کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، اگر غور کرو گے تو یہ نظر آئے گا کہ ان کی توہین تمہاری اپنی توہین ہے، اس لئے دوسروں کو طعنہ دینا درحقیقت اپنے آپ کو طعنہ دینا ہے۔

پوری مسلمان برادری کی توہین

اس کو زیادہ وضاحت سے یوں سمجھیں کہ مسلمان ایک برادری ہے، اور غیر مسلم اور کافر ایک برادری ہے، اگر تم اپنی برادری کے آدمیوں کو برا بھلا کہو گے اور ان کی توہین کرو گے تو جو دوسری برادری کے لوگ ہیں، یعنی غیر مسلم، ان کی نظر میں تو تمام مسلمان برابر ہیں، تو اس توہین کے نتیجے میں پوری برادری پر حرف آئے گا، اور پوری برادری کی توہین و تذلیل ہوگی۔ لہٰذا یہ مت سمجھنا کہ اگر تم نے دوسرے کو طعنہ دیدیا تو بس صرف ایک فرد کو طعنہ دیا، بلکہ حقیقت میں پوری مسلمان برادری کو طعنہ دینے کے مرادف ہے، اور پوری مسلمان برادری کو بدنام کرنے کے مرادف ہے، لہٰذا حقیقت میں وہ طعنہ تمہارے خلاف

جارہا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وَ لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ''

برے ناموں سے پکارنا

آگے پھر اللہ تعالیٰ نے طعنے کی ایک خاص صورت کو بیان فرمایا کہ:

وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ

یعنی ایک دوسرے کو برے برے ناموں سے مت پکارو۔ جیسے بعض اوقات کسی آدمی کے عیب کی وجہ سے لوگ اس کے اصل نام سے ہٹ کر دوسرا نام رکھ دیتے ہیں، ایسا اس کا مذاق اڑانے کے لئے یا اس کی تحقیر کے لئے کیا جاتا ہے، مثلاً ایک اچھا بھلا آدمی ہے، اس بیچارے کے پاؤں میں کچھ عذر ہے، لنگ ہے، اب لوگ اس کو لنگڑا کہہ کر پکار رہے ہیں، یا اس کی آنکھ میں کچھ کمزوری ہے، تو اس کو اندھا کہہ کر پکار رہے ہیں، یا کوئی اور نام اس کی تحقیر و تذلیل کا رکھ دیا، اس کے بارے میں قرآن کریم نے منع فرمایا ہے کہ ایک دوسرے کو برے ناموں سے یاد نہ کیا کرو۔ حالانکہ یہ بات پہلے حکم ''وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ'' کی ممانعت میں داخل تھی، لیکن اس کو خاص طور پر قرآن کریم نے علیحدہ ذکر فرمایا کہ طعنہ دینے کی یہ شکل جس میں دوسرے کو برے نام سے پکارا جائے، یہ بہت بری بات ہے، اس سے پرہیز کرو۔

عرفی نام سے پکارنا

بعض نام تو ایسے ہوتے ہیں جو کسی شخص کا عرف بن جاتے ہیں، جس کو وہ شخص برا نہیں مانتا، اس کو برا نہیں لگتا، اس کے ذریعے اس کی تحقیر اور تذلیل نہیں ہوتی، وہ عرفی نام اگر مشہور ہو گیا تو ایسے نام سے پکارنے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن ایسا نام جس کو وہ برا سمجھتا ہو، جس کی وجہ سے وہ اپنی توہین محسوس کرتا

ہو، ایسے نام سے پکارنے سے قرآن کریم نے منع فرمایا ہے۔

اصلی جڑ ''تکبر'' ہے

دیکھئے! دونوں برائیاں، یعنی کسی کو طعنہ دینا، اور کسی کو برے نام سے پکارنا، اگر ان دونوں کی اصل وجہ پر غور کریں تو وہ ''تکبر'' نظر آئے گی، ایک آدمی متکبر ہے، اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے، اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے، تو ایسا شخص دوسروں کو حقیر سمجھنے کے نتیجے میں دوسروں کو طعنے دیتا ہے، اور دوسروں کو برے ناموں سے پکارتا ہے، اور برے القاب لگا دیتا ہے، لہٰذا ان دونوں برائیوں کی اصل جڑ ''تکبر'' ہے، اور تکبر اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے عیوب سے تو غافل ہوتا ہے، اپنے اندر جو خرابیاں ہیں ان کی طرف دھیان نہیں ہوتا، اس لئے دوسروں کے عیوب کی تلاش میں رہتا ہے، ان ساری خرابیوں کی اصل بنیاد یہ ہے۔

اپنے عیوب کا جائزہ لو

اس خرابی کا علاج یہ ہے کہ جب دوسرے شخص کا کوئی عیب سامنے آئے یا اس کے اندر کوئی خرابی نظر آئے تو آدمی اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لیا کرے کہ میرے اندر کتنی خرابیاں ہیں، اگر آدمی کو اپنے اندر کی خرابیوں کا جائزہ لینے کی عادت پڑ جائے، اور خود اپنے عیوب کو وہ تلاش کرنے لگے تو کبھی اس کو دوسروں کے عیوب دیکھنے کی فرصت ہی نہ ملے، یہ سب فرصت اس وقت ملتی ہے، جب آدمی اپنے آپ کو تو بے عیب سمجھا ہوا ہے کہ ہمارے اندر کوئی خرابی نہیں، ہمارے اندر کوئی غلطی نہیں، اور دوسرے کے عیوب کی تلاش میں پڑا ہوا ہے۔ اس لئے آدمی اپنے عیوب کا جائزہ لیتا رہے، اس کا طریقہ یہ ہے

کہ صبح سے لے کر شام تک جو ہماری زندگی ہے، اس کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ اس میں ہم کہاں کہاں غلط کام کر رہے ہیں۔

اپنی عبادت کا جائزہ لو

مثلاً ہم اس بات کا جائزہ لیں کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے ہمارے ذمے جو فرائض عائد ہوتے ہیں، ان فرائض کو ہم کس حد تک بجالا رہے ہیں؟ مثلاً اللہ جل شانہ نے نماز کو دین کا ستون قرار دیا ہے، تو کیا میں واقعی اس طرح پڑھتا ہوں جس طرح پڑھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا، اور جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے؟ اور کیا میں پانچ وقت مسجد میں جانے کا اہتمام کرتا ہوں؟ اور جب میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں تو کیا نماز کے تمام آداب بجالاتا ہوں؟ کیا میرے اندر واقعی وہ خشوع و خضوع ہوتا ہے جو نماز کے لئے درکار ہے؟ صرف ایک نماز کا جائزہ لے کر دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ سیکڑوں عیوب تو خود ہمارے اندر موجود ہیں۔

اپنے معاملات اور اپنی معاشرت کا جائزہ لو

یا مثلاً اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ دینے کا حکم دیا تھا، تو کیا میں صحیح معنی میں زکوٰۃ کا حکم بجالاتا ہوں؟ کیا میں ٹھیک ٹھیک حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرتا ہوں؟ کیا رمضان کے روزے ان کے آداب کے ساتھ رکھتا ہوں؟ اگر حج میرے اوپر فرض ہے تو کیا میں نے وہ فرض ادا کیا یا نہیں؟ اگر فرض ادا کیا تو کیا واقعی اس کے آداب کے ساتھ ادا کیا یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے میرے گھر والوں کے مجھ پر حقوق عائد کیے ہیں، میں ان حقوق کو بجالا رہا ہوں یا نہیں؟ کیا میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کر رہا ہوں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

تعلیم دی ہے؟ میں کسی کے ساتھ ظلم تو نہیں کر رہا ہوں؟ کیا میں اپنے ملنے جلنے والوں کے ساتھ اور معاملات کرنے والوں کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کر رہا ہوں جیسا کرنا چاہیے؟ یا ان کی حق تلفی کر رہا ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے سچ بات بولنے کا حکم دیا ہے، تو کیا میں ہمیشہ سچ بولتا ہوں، یا کبھی جھوٹ بھی بول لیتا ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے غیبت کرنے سے منع کیا ہے، تو کیا میں غیبت کرتا ہوں یا نہیں کرتا؟ ہر انسان اس طرح سے اپنا جائزہ لے کر دیکھے، تو پھر اس کو پتہ چلے گا کہ عیبوں کا پلندہ تو میں خود ہوں، خرابیوں کا پلندہ تو میں خود ہوں، اور جب میں خود خراب ہوں تو دوسروں کو کیا عیب لگاؤں، اور دوسروں کو کیا طعنہ دوں، اور دوسروں کا کیا نام رکھوں، اگر یہ بات ہمیں حاصل ہو جائے تو ہمارے اندر سے یہ گند ختم ہو جائے۔

بہادر شاہ ظفر مرحوم نے کہا تھا کہ:

تھے جو اپنی برائیوں سے بے خبر
رہے اوروں کے ڈھونڈتے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائی پر جو نظر
تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

جب تک اپنے عیوب پر نگاہ نہیں پڑی تھی، تو ساری دنیا کو طعنے دیا کرتے تھے، ساری دنیا کو برا بھلا کہتے تھے، لیکن جب اپنی برائیوں پر نظر پڑی تو معلوم ہوا کہ اور کوئی برا نہیں ہے، میں ہی سب سے زیادہ برا ہوں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں اپنے عیوب کا اور اپنی خرابیوں کا جائزہ لینے کی توفیق عطا فرمائے، اور ان کی اصلاح کرنے کی فکر عطا فرمائے تو پھر دوسرے مسلمانوں

کے لئے طعنے کا لفظ زبان سے نکلے گا ہی نہیں۔

اپنی فکر کرو

جس کو اپنی فکر پڑ گئی ہو وہ دوسروں کی برائیوں کو کیا دیکھے، اگر میرے اپنے پیٹ میں درد ہو رہا ہو، اور تیز درد ہو تو میں اپنے پیٹ کے درد کی فکر کروں گا، یا دوسروں کے نزلہ کھانسی کی فکر کروں گا، میرا پہلا کام یہ ہوگا کہ کسی طرح پہلے میرے پیٹ کا درد ٹھیک ہو جائے، اس وقت میں دوسروں کے نزلہ کھانسی کا علاج پہلے کروں گا؟ یا اپنے پیٹ کے درد کا علاج کروں گا؟ ظاہر ہے کہ اپنے پیٹ کے درد کا علاج پہلے کروں گا، لیکن افسوس یہ ہے کہ روحانی اور دینی بیماریوں میں اور اخلاقی بیماریوں میں ہم یہ معاملہ نہیں کرتے، بلکہ اپنی بیماریوں سے غافل ہیں، اور دوسروں کی بیماریوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، اور اگر دوسرا شخص ان بیماریوں کی طرف متوجہ بھی کرے تو اپنی غلطی ماننے کو تیار نہیں ہوتے۔ اپنے بارے میں یہ خیال ہے کہ میں تو تمام غلطیوں سے پاک اور مبرا ہوں، اور میں تو کوئی غلطی کر ہی نہیں سکتا، ہمارے دماغوں میں یہ خناس بیٹھ گیا ہے، جس نے تکبر پیدا کیا، اور جس نے دل میں بڑائی پیدا کی، جس کی وجہ سے دوسروں کو طعنہ دینے کی جرأت ہوئی۔

خلاصہ

میرے بھائیو! اپنے عیوب کا جائزہ لیا کریں، اور دوسروں کے معاملے

میں توہین، تحقیر اور تذلیل کے کسی بھی اقدام سے پوری طرح بچنے کی کوشش کریں، اگر دنیا میں کوئی شخص کسی کو طعنہ نہ دے، کوئی شخص کسی کی توہین نہ کرے تو سارے جھگڑے دنیا سے ختم ہو جائیں، اس لئے کہ سارے جھگڑے اس قسم کی خرابیوں کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مجھے بھی اور آپ سب کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

— وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین

بدگمانی سے بچیے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بدگمانی سے بچئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا، اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ، وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ○ (سورۃ الحجرات: ۱۲)

آمنت باللہ صدق اللہ مولٰنا العظیم، و صدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین، والحمد للہ رب العٰلمین۔

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! سورۃ الحجرات کی تفسیر کا سلسلہ ایک مدت

سے چل رہا ہے، اور پچھلے بیانات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اس سورت کریمہ کا اصل مقصد مسلمانوں کو لڑائی جھگڑوں اور فتنے فساد سے بچانا ہے۔ اس سورت کے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کہیں مسلمانوں کے درمیان اختلاف یا جھگڑا ہو جائے تو دوسرے مسلمانوں پر فرض ہے کہ ان کے درمیان مصالحت کرانے کی کوشش کریں۔ پھر دوسرے رکوع میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان بنیادی اسباب کا ذکر فرمایا ہے جن سے عموماً جھگڑے پیدا ہوتے ہیں، چنانچہ دوسرے رکوع کی پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ ایک دوسرے کا مذاق نہ اُڑاؤ، ایک دوسرے کو طعنے نہ دو، ایک دوسرے کو برے ناموں سے یاد نہ کرو، کیونکہ اس سے باہم نفرتیں پیدا ہوتی ہیں، اور ان نفرتوں کے نتیجے میں لڑائی جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں۔

برا گمان قائم نہ کرو

آج جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، اس میں لڑائی جھگڑوں کے کچھ اور اسباب کا بڑی باریکی سے ذکر فرمایا ہے، اور بہت سے کاموں کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے، چنانچہ فرمایا کہ اے ایمان والو! تم اپنے دل میں اپنی طرف سے بہت سے گمان قائم کر لیتے ہو، ان سے پرہیز کرو، کیونکہ بعض گمان ایسے ہوتے ہیں جو خود گناہ ہیں، یعنی کسی بات کی تحقیق کے بغیر اور دلائل سے ثابت ہوئے بغیر کسی شخص کے بارے میں کوئی بدگمانی قائم کر لینا کہ اس نے شاید ایسا کیا ہوگا، ایسی بدگمانی سے بچو، کیونکہ ایسی بدگمانی گناہ ہے، اپنی طرف سے کسی شخص کے بارے میں کوئی خیال گھڑ لیا، یا کوئی معمولی سے بات کسی شخص کے اندر نظر آئی اور اس معمولی بات پر اپنی طرف سے ہوائی قلعے تعمیر کر لئے اور قلعے تعمیر کر کے اس کے بارے میں بدگمانی میں مبتلا ہو گئے یہ گناہ ہے، جب تک کسی کے بارے میں کوئی

بات تحقیق سے دلائل کے ساتھ آنکھوں سے مشاہدہ کر کے ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے بارے میں کوئی برا گمان قائم نہ کرو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ

اسی بات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: ظُنُّوْا بِالْمُؤْمِنِيْنَ خَيْرًا، یعنی مسلمانوں کے ساتھ اچھا گمان رکھو۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کسی دوسرے کی کوئی چیز چوری کر رہا ہے، جب وہ چیز لے کر آگیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا: کیا تم نے چوری کی ہے؟ وہ شخص قسم کھا بیٹھا کہ نہیں، اللہ کی قسم میں نے چوری نہیں کی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: کہ تم نے اللہ کی قسم کھالی، اللہ کا حوالہ دیدیا، لہٰذا میں اپنی آنکھ کو جھٹلاتا ہوں، اور اللہ پر ایمان لاتا ہوں۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود اپنی آنکھ سے اس کو وہ چیز لیتے ہوئے دیکھا تھا، لیکن جب اس نے اللہ کی قسم کھالی تو آپ نے فرمایا کہ میں اپنی آنکھ کو جھٹلاتا ہوں۔ گویا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ میں نے اس کو یہ چیز لیتے ہوئے تو دیکھا ہے، لیکن یہ ممکن ہے کہ جس شخص کی چیز یہ لے رہا ہے، اس پر اس کا کوئی حق آتا ہو، کوئی قرض واجب ہو، اور وہ شخص اس کو نہ دے رہا ہو، اس لئے اس نے اپنا حق اس طرح حاصل کر لیا ہو، لہٰذا حقیقت میں یہ چوری نہ ہو، اس لئے میں اچھا گمان کر کے اس کو چھوڑ دیتا ہوں۔

بازاروں میں ملنے والا گوشت

اسی لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی مسلمان کو کوئی کام کرتے ہوئے دیکھو، اور اس کام میں یہ احتمال ہو کہ اس نے یہ کام صحیح اور قاعدے کے مطابق کیا ہوگا، تو اس کام کو اس قاعدے پر محمول کردو، اور بدگمانی مت کرو، اور یہ شریعت کا ایسا اصول ہے کہ اگر اس اصول پر عمل نہ کیا جائے تو ہماری اور آپ کی زندگی اجیرن اور دوبھر ہو جائے۔ دیکھئے! ہم روزانہ گوشت کھاتے ہیں، لیکن ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے کہ جس شخص نے ذبح کیا ہے، اس نے واقعۃً صحیح طریقے سے ذبح کیا ہے یا نہیں؟ واقعۃً اس نے اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ وہاں دیکھ کر آتے ہیں وہ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں کہ وہاں جا کر دیکھو جہاں یہ جانور ذبح کئے جاتے ہیں، اوہ وہ لوگ تو گالی گلوچ کر رہے ہوتے ہیں، اور اسی حالت میں ذبح بھی کر ڈالتے ہیں۔ اب اگر شریعت نے ہمیں اس بات کا مکلف کیا ہوتا کہ ہر گوشت کے بارے میں یہ تحقیق کرو کہ یہ کہاں ذبح ہوا ہے؟ کس نے ذبح کیا ہے؟ اللہ کا نام ذبح کرتے وقت لیا ہے، یا نہیں لیا؟ تو پھر کسی بھی انسان کے بس میں نہیں تھا کہ وہ گوشت کھا سکے۔

وہ گوشت کھانا جائز ہے

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حکم دیا کہ مؤمنوں کے ساتھ اچھا گمان کرو، جب یہ معلوم ہے کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہے تو مسلمان کا ظاہر حال یہ ہے کہ اس نے اللہ کا نام لیا ہوگا، لہٰذا تمہارے لئے جائز ہے کہ تم وہ گوشت کھالو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کچھ نو مسلم لوگ ہیں، جو ابھی کچھ عرصے پہلے مسلمان ہوئے ہیں، اور دیہات میں رہتے ہیں، وہ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں، اور ہم ان سے گوشت لیتے ہیں، لیکن ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ انہوں نے ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں لیا، کیا ہمارے لئے وہ گوشت کھانا جائز ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں تمہارے لئے وہ گوشت کھانا جائز ہے، تم بسم اللہ پڑھ کر وہ گوشت کھالو، کیوں؟ اس لئے کہ گوشت لانے والا مسلمان ہے، لہٰذا اس کے بارے میں یہی گمان رکھنا چاہئے کہ اس نے شریعت کے قاعدے کے مطابق اللہ کا نام لے کر اس کو ذبح کیا ہوگا، لہٰذا تمہارے لئے اس کا کھانا جائز ہے، لہٰذا شریعت نے اس حد تک مسلمانوں کے ساتھ خوش گمانی کا حکم دیا ہے۔

ایسا گوشت مت کھاؤ

ہاں! اگر ایک آدمی تمہاری آنکھوں کے سامنے ایک جانور ذبح کر رہا ہے، اور اس پر اللہ کا نام نہیں لیا، تو بیشک اس وقت تمہارے لئے جائز ہے کہ اس کا گوشت نہ کھاؤ، لیکن جب تک تم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، اور لانے والا مسلمان ہے تو حکم یہ ہے کہ تم اس کے ساتھ اچھا گمان کرو، اور یہ سمجھو کہ اس نے شریعت کے قاعدے کے مطابق ذبح کیا ہوگا، اس حد تک شریعت نے مسلمانوں کے ساتھ خوش گمانی کا حکم دیا ہے۔

کسی کی دولت دیکھ کر بدگمان مت ہو جاؤ

اسی طرح اور معاملات میں بھی بعض اوقات ہم لوگ تحقیق کے بغیر کسی کے بارے میں بدگمانی کر کے بیٹھ جاتے ہیں، یہ حرام اور ناجائز ہے، قرآن کریم کا

ارشاد ہے: اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، مثلاً کسی آدمی کے ہاں آپ نے دیکھا کہ اس کے پاس روپے پیسے کی ریل پیل ہوگئی ہے، اس کی زمینیں اور جائیدادیں ہوگئی ہیں، اب تحقیق اور دلیل کے بغیر آپ یہ بدگمانی کرنے لگیں کہ اس کے پاس کہیں سے حرام کا پیسہ آرہا ہے، اور حرام خوری کر کے یہ جائیدادیں اور زمینیں بنا رہا ہے، یہ بدگمانی کرنا آپ کے لئے جائز نہیں، جب تک یقین کے ساتھ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس شخص نے واقعۃً رشوت لی ہے، یا اس شخص نے کوئی حرام کام کیا ہے، جب تک یقینی دلیل سے معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک محض بدگمانی کر کے رائے قائم کر لینا صحیح نہیں۔

نوکر اور ملازم پر بدگمانی

یہ واقعہ بکثرت گھروں میں پیش آتا ہے کہ گھر میں کوئی چیز گم ہوگئی، اور اب تلاش کر رہے ہیں، اور وہ چیز نہیں مل رہی ہے، ایسے موقع پر عموماً گھروں میں جو کام کرنے والے ملازم اور نوکر ہوتے ہیں، ان کی طرف دھیان جاتا ہے کہ انہوں نے لی ہوگی۔ اب بدگمانی کر کے یہ یقین کر بیٹھنا کہ انہوں نے وہ چیز لی ہوگی، یہ جائز نہیں، ہاں ایک احتمالی طور پر تحقیق کرنے کے لئے اگر اس سے پوچھ گچھ کر لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن بدگمانی کی بنیاد پر اس کو چور سمجھ لینا اور اس کے ساتھ چور جیسا معاملہ کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک یقین کے ساتھ دلائل سے اور گواہی سے ثابت نہ ہو جائے کہ واقعۃً اس نے چوری کی ہے، ایسے موقع پر ملازم کی جان پر بن جاتی ہے، اور لوگ ان کے ساتھ بعض اوقات سخت سلوک کر لیتے ہیں اور بعد میں پتہ چلتا ہے کہ یہ تو بے قصور تھے۔

اسٹالن کا ایک واقعہ

روس کا ڈکٹیٹر گزرا ہے "اسٹالن" اس کے بارے میں یہ قصہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ نہاتے ہوئے اس کی قیمتی گھڑی گم ہوگئی، اس نے وہیں سے چوکیداروں کو فون کیا کہ میرے گھڑی گم ہوگئی ہے، اور جو ملازمین ہیں ان سب سے تفتیش کرو، اب تفتیش شروع ہوگئی، اور ملازمین پر قیامت ٹوٹ گئی، ایک گھنٹے بعد وہ گھڑی وہیں پڑی ہوئی مل گئی، اس نے پھر فون کیا کہ گھڑی مل گئی ہے، لہٰذا اب تفتیش کی ضرورت نہیں۔ چوکیداروں نے کہا کہ گھڑی تو مل گئی مگر یہاں دس آدمیوں نے اقرار کرلیا ہے کہ ہاں ہم نے چوری کی ہے۔ آپ اندازہ لگائیں کہ جن دس آدمیوں نے اقرار کرلیا ان پر اس عرصے میں کیا قیامت ٹوٹی ہوگی۔

بدگمانی کی بنیاد پر کارروائی مت کرو

قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ محض بدگمانی کی بنیاد پر کسی کے ساتھ معاملہ کرنا جائز نہیں، ہاں تحقیق کر سکتے ہو، تفتیش کر سکتے ہو، پوچھ گچھ کر سکتے ہو، اور اس کے لئے جائز ذرائع استعمال کر سکتے ہو، لیکن کسی پر بدگمانی کر کے یقین کر بیٹھنا، اور اس بدگمانی کی بنیاد پر کارروائی کرنا ہرگز جائز نہیں، حرام ہے، بلکہ اگر کسی مسلمان کے اندر کوئی ایسی بات دیکھی جس سے شبہ پیدا ہو رہا ہے تو بھی حکم یہ ہے کہ اس کے بارے میں حتی الامکان ایسا احتمال تلاش کرنے کی کوشش کرو جو اس کے عمل کو جائز کرنے والا ہو، جیسے میں نے ابھی آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ سنایا، لہٰذا حتی الامکان مسلمان کے عمل کے صحیح محمل پر محمول کرنے کی کوشش کرو۔

صحیح بخاری کا ایک واقعہ

صحیح بخاری میں ایک واقعہ آتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک عورت اکثر مجھ سے ملنے آیا کرتی تھیں، وہ عورت کسی اور علاقے کی رہنے والی تھیں، اور مدینہ منورہ آکر مسلمان ہوگئی تھیں، وہ عورت جب بھی ملاقات کے لئے آتی تو عربی کا یہ شعر ضرور پڑھا کرتی تھیں۔

ویوم الوشاح من تعاشی ربنا

الا انها من دار الکفر نجتنی

اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ وہ دن جس میں ہار کا واقعہ پیش آیا تھا، یہ میرے پروردگار کی طرف سے بڑی عجیب کہانی ہے، لیکن اس کے نتیجے میں میں کفر سے نجات پاگئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس عورت سے پوچھا کہ تم بار بار ملاقات کے وقت یہ شعر پڑھتی ہو، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس عورت نے کہا کہ میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ میں ایک بستی میں رہتی تھی، ایک مرتبہ بستی کی ایک بچی ہار پہن کر گلی میں نکلی، جب وہ بچی واپس آئی تو ہار اس کے گلے میں نہیں تھا۔ اصل میں ہوا یہ تھا کہ وہ ہار کہیں اس کے گلے سے گر گیا، اوپر سے چیل آئی، اور وہ چیل ہار اٹھا کر لے گئی۔ میں قریب میں رہتی تھی، اور غریب تھی، اس لئے سب نے میرے اوپر الزام لگا دیا کہ یہ ہار اسی عورت نے لیا ہے، اس لئے کہ یہی قریب میں رہتی ہے، چنانچہ انہوں نے مجھے پکڑ کر مارنا شروع کر دیا، اور میری تلاشی شروع کر دی، یہاں تک مجھے بالکل ننگا کر کے تلاشی لی، لیکن وہ ہار نہیں ملا۔ ابھی وہ تلاشی لے رہے تھے اور مجھے مار پیٹ رہے تھے کہ اتنے میں وہ چیل جو ہار اٹھا کر لے گئی تھی، ان کے سامنے ہار ڈال کر چلی گئی، اب لوگوں کی آنکھیں کھلیں کہ ہم بیچاری کو

خواہ مخواہ مار رہے ہیں، اور اس غریب عورت پر الزام لگا رہے ہیں، حقیقت میں یہ چیل ہار لے گئی تھی۔ وہ عورت کہتی ہے کہ اس واقعہ کے بعد مجھے بستی والوں سے نفرت ہوگئی، اور میں بستی سے نکل کر بھاگی، کسی نے مجھے بتایا کہ مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں، چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوگئی۔ اس لئے میں یہ شعر پڑھتی ہوں کہ وہ دن جس میں ہار والا قصہ پیش آیا، وہ میرے پروردگار کی رحمت کی نشانی تھی، اگرچہ اس واقعہ کے نتیجے میں میرے ساتھ زیادتی ہوئی تھی، لیکن وہ قصہ میرے لئے دار الکفر سے دار الایمان کی طرف نجات کا سبب بن گیا۔

پوچھ گچھ کرنا جائز ہے

بہر حال! ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ آپ کو کسی کے بارے میں شبہ ہو گیا، اور اس شبہ کے نتیجے میں آپ نے خواہ مخواہ مار پیٹ شروع کر دی، اور تحقیق نہیں کی، یہ بدگمانی ہے، جو جائز نہیں، ہاں مناسب انداز میں پوچھ گچھ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، جس سے یقینی طور پر اس کو مجرم نہ سمجھا جائے، لیکن یقین کر کے بیٹھ جانا گناہ ہے، اسی کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا: اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ

بدگمانی کے مواقع سے بچو

اور شریعت کے احکام کا حسن دیکھئے کہ ایک طرف تو ہمیں یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ لوگوں سے بدگمانی مت کرو، اگر کسی کے بارے میں تمہیں کوئی شبہ بھی ہوا ہے تو حتی الامکان اس کی تاویل اور توجیہ کر لو کہ شاید اس نے اس نیت سے یہ کام کیا ہوگا۔ ایک طرف تو یہ حکم دیا۔ اور دوسری طرف ہر انسان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم

یہ ہے کہ "اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّهَمِ" یعنی ایسے مواقع سے بچو جس سے لوگوں کے دلوں میں بدگمانی پیدا ہو، کوشش کرو کہ خواہ مخواہ ایسا موقع نہ آئے کہ جس سے لوگوں کے دلوں میں بدگمانی پیدا ہو، اور لوگ تمہارے اوپر تہمت لگائیں، یعنی ایسی صورت حال پیدا نہ ہونے دو جس سے کسی کے دل میں شبہ پیدا ہو کہ یہ شخص کوئی غلط حرکت کر رہا ہے، اس سے بچو!

حضور اقدس ﷺ کا ایک واقعہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے عمل سے اس کی تعلیم دی، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں اعتکاف میں بیٹھے ہوئے تھے، ہر سال رمضان کے آخری عشرے میں آپ اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ سے ملاقات کے لئے مسجد میں تشریف لائیں، رات کا وقت تھا، آپ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھوڑی دیر بیٹھیں، جب واپس جانے لگیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو رخصت کرنے کے لئے مسجد نبوی کے دروازے پر تشریف لائے۔ اس عمل کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتادیا کہ بیوی کا بھی ادب اور احترام واکرام اور اس کی عزت شوہر کو کرنی چاہئے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دروازے تک پہنچانے کے لئے تشریف لائے، جب دروازے پر پہنچے تو چونکہ رات کا وقت تھا، اور اندھیرا تھا، اس وقت قریب سے دو صحابہ گزر رہے تھے، آپ نے زور سے پکار کر ان صحابہ سے کہا کہ یہ خاتون جن کو میں رخصت کر رہا ہوں یہ میری زوجہ صفیہ ہیں، ان صحابہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! یہ آپ نے کیا بات فرمادی، آپ نے فرمایا:

اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ

یعنی شیطان انسان کے خون تک میں سرایت کرتا ہے، لہٰذا مجھے یہ خطرہ ہوا کہ کہیں تمہارے دلوں میں یہ خیال نہ آ گیا ہو کہ اندھیرے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ خاتون کون ہیں؟ اس لئے میں نے وضاحت کردی کہ یہ میری زوجہ مطہرہ صفیہ ہیں، اب بتایئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کس کو گمان ہوسکتا تھا کہ آپ کسی غیر عورت کے ساتھ ہوں گے، لیکن اپنے آپ کو بدگمانی سے اور موضع تہمت سے بچانے کے لئے آپ نے صاف صاف بتادیا کہ کوئی خیال نہ کرنا، یہ میری بیوی ہے، آپ نے اپنے عمل سے تعلیم دیدی، اور قول سے تعلیم دیدی کہ ایسے راستے اختیار نہ کرو۔

ایسے مواقع پر مت جاؤ

اور ایسی جگہوں پر نہ جاؤ جہاں سے تمہارے اوپر تہمت لگے، جہاں سے لوگ تمہارے بارے میں بدگمانی میں مبتلا ہوں، ایسی جگہوں پر مت جاؤ، چاہے تم کسی مقصد کے لئے گئے ہو، لیکن وہاں پر کھڑے لوگوں نے تمہیں دیکھ لیا، معاذ اللہ! فرض کرو کوئی رقص گاہ ہے، جہاں عریانی اور فحاشی کا بازار گرم ہے، چاہے آپ وہاں کسی اور مقصد سے گئے ہوں، لیکن جو شخص بھی آپ کو وہاں کھڑا ہوا دیکھے گا تو اس کے دل میں شبہ پیدا ہوگا، لہٰذا ایسے مواقع پر مت جاؤ جہاں تہمت لگنے کا احتمال ہو۔

لین دین میں حسابات صاف رکھو

اسی لئے فرمایا کہ جہاں آپس میں روپے پیسے کے لین دین کا معاملہ ہو، وہاں حسابات صاف رکھو، چاہے معاملہ کرنے والے بھائی بھائی کیوں نہ ہوں، اور لکھت

پڑھت کے ساتھ رکھو، اور اس بات کا موقع نہ آنے دو کہ کل کو آپس میں بدگمانی ہوجائے، اور جھگڑا ہوجائے، بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ جب معاملہ کرنے والے بھائی بھائی ہیں، اور آپس میں محبت سے رہ رہے ہیں، اس وقت تو کوئی خیال نہیں آتا۔ لیکن جب بڑے ہوجاتے ہیں، شادیاں ہوجاتی ہیں، اولادیں آجاتی ہیں، اس وقت پھر یہ خیال آتا ہے کہ ہم نے حساب کتاب تو کیا نہیں تھا، پتہ نہیں ہمارا بھائی کتنا کھا گیا؟ بعد میں بدگمانیاں پیدا ہوجاتی ہیں، اس لئے فرمایا کہ ایسے مواقع سے بچو۔

دو تعلیمات

بہرحال! اسلام نے ہمیں ایک طرف تو یہ تعلیم دی کہ ہر انسان کو چاہئے کہ وہ ایسے مواقع سے بچے جہاں اس کے بارے میں کوئی بدگمانی پیدا ہوسکتی ہو، اور دوسری طرف یہ تعلیم دی کہ جب تک کوئی بات اپنی آنکھ سے نہ دیکھ لو، یا مضبوط شہادت سے جب تک ثابت نہ ہوجائے، اس وقت تک کسی دوسرے کے خلاف کسی بات کا یقین کرلینا جائز نہیں۔

ہمارے معاشرے کی حالت

دیکھئے! آج ہمارے معاشرے میں کیا ہورہا ہے، کہیں سیاسی مخالفتیں ہیں، کہیں جماعتی مخالفتیں ہیں، کہیں مذہبی مخالفتیں ہیں، کہیں تعصبات ہیں، اب جو ہمارا مخالف ہے، چاہے وہ مذہبی طور پر مخالف ہو، یا سیاسی طور پر مخالف ہو، یعنی مذہبی طور پر وہ کسی اور فرقے سے تعلق رکھتا ہو، جو ہمارے سے مختلف ہے، یا وہ سیاسی طور پر کسی اور سیاسی جماعت سے تعلق رکھتا ہے، تو اب اسکے ساتھ خون حلال ہیں، جو چاہے اس کے بارے میں کہو، جو چاہو اس پر الزام لگاؤ، جو چاہو اس پر بدگمانی قائم کرلو، یہ

چیز آج ہمارے معاشرے میں سرایت کر چکی ہے کہ فلاں شخص تو اتنے لاکھ روپے کھا گیا، اور فلاں شخص اتنے لاکھ روپے لے کر یہ کام کر گیا، اگر پوچھا جائے کہ تمہارے پاس کوئی دلیل ہے، تو جواب میں کہتے ہیں کہ یہ بات سب لوگوں میں مشہور ہے۔ اب کوئی دلیل اور کوئی ثبوت موجود نہیں، محض بدگمانی کی بنیاد پر اس طرح کے جملے چلتے کر دیے جاتے ہیں، اور اس کو بدنام کر دیا جاتا ہے۔

اگر آپ کے ساتھ یہ سلوک ہو تو؟

مثلاً ہر شخص اپنے بارے میں یہ فرض کرے کہ آپ کے بارے میں کسی شخص نے لوگوں میں یہ بات اڑادی کہ آپ نے اتنے پیسے کھا کر اپنا ضمیر بیچا ہے، یا رشوت کھائی ہے، اور حقیقت میں آپ نے رشوت نہیں کھائی، تو اب آپ پر اور آپ کے دل پر کیا گزرے گی، اور جب لوگوں نے یہ الزام لگایا، اور آپ کے سر یہ جھوٹ باندھا، ان کے خلاف آپ کے دل میں نفرت اور عداوت پیدا ہوگی یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ عمل نفرت اور عداوت پیدا کرنے کا مضبوط ذریعہ ہے، اور جب کبھی آپ کو موقع ملے گا تو آپ اس سے بدلہ لینے کی کوشش کریں گے، اور جن لوگوں نے آپ کو تکلیف پہنچائی ہے، آپ ان کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کریں گے، یہ صورت حال آج ہمارے معاشرے میں پھیلی ہوئی ہے، جس کے نتیجے میں دلوں میں نفرتیں ہیں، عداوتیں ہیں، بغض و عناد ہے، اور ایک لامتناہی سلسلہ چلا جا رہا ہے۔

اس آیت کے حکم پر عمل کرنے کی کوشش کریں

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے قرآن کریم کے اس حکم کو پس پشت ڈالا ہوا ہے، وہ یہ کہ "یا ایھا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن " اے ایمان والو! تم جو

بہت سے گمان کرتے رہتے ہو، اس سے احتراز کرو، اس سے پرہیز کرو، اس لئے کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، لہٰذا ان گناہوں سے پرہیز کرو، یہ پہلا حکم ہے جو اس آیت میں دیا ہے، اسی آیت کریمہ میں آگے اسی سلسلے کے کچھ اور احکام بھی ہیں، لیکن چونکہ اب وقت ختم ہو گیا ہے، انشاء اللہ زندگی رہی تو اگلے جمعہ میں عرض کردوں گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین

جاسوسی مت کیجئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۱

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاسوسی مت کیجئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا، اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ، وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ○

(سورۃ الحجرات: ۱۲)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، و صدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین، والحمد للہ رب العٰلمین۔

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! یہ سورت الحجرات کی ایک آیت ہے جو میں

نے ابھی آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی ہے، اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں بہت سی اہم ہدایات عطا فرمائیں ہیں، جن میں پہلی ہدایت یہ ہے کہ بدگمانی سے پرہیز کرو، کسی شخص کے بارے میں جب تک پوری تحقیق نہ ہو جائے، اس وقت تک اس کے بارے میں کوئی بدگمانی نہ کرو، اور کسی کے بارے میں یقین کے ساتھ کسی برائی کا اعتقاد نہ رکھو، جب تک کہ تحقیق سے ثابت نہ ہو جائے۔ اس کی کچھ تفصیل میں نے پچھلے جمعہ میں عرض کی تھی، اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

تجسس کی تعریف

دوسرا حکم جو اس آیت کریمہ میں دیا ہے، وہ ہے "وَلَا تَجَسَّسُوْا" جس کے معنی یہ ہیں کہ ایک دوسرے کا تجسس نہ کرو، کسی کی ٹوہ میں نہ لگو، اس کے حالات کی خفیہ طریقہ پر معلومات کرنے کی فکر میں نہ لگو، جس کو عام طور پر ''تجسس'' کہا جاتا ہے، اور اردو میں ''ٹوہ میں لگنا'' بھی کہتے ہیں، یعنی اس بات کی کوشش کرنا کہ اس کے خفیہ راز معلوم ہو جائیں، یا ایسی بات جو وہ چھپانا چاہتا ہے دوسرا آدمی اس کو خفیہ طریقہ سے معلوم کرنے کی کوشش کرے، اس کی اس آیت میں ممانعت فرمائی ہے کہ اس طرح کا تجسس نہ کرو۔

دوسروں کے معاملات میں دخل مت دو

پہلا حکم تو یہ فرمایا تھا کہ بدگمانی منع ہے، یعنی بغیر تحقیق کے کسی کے بارے میں کوئی بدگمانی مت کرو، اب اگر کسی کے بارے میں تحقیق نہیں ہے، مگر تم جستجو کر کے، ٹوہ میں لگ کر، تجسس کر کے اس کی کوئی برائی معلوم کرنا چاہتے ہو تو یہ بھی جائز

نہیں، تمہیں دوسروں کے معاملات میں دخل دینے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے؟ اور اس کے کیا خفیہ راز ہیں؟ بلکہ اپنے کام سے کام رکھو، اپنی فکر کرو۔

باپ کے لئے تجسس کرنا جائز ہے

یہاں یہ بات عرض کر دوں کہ بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ جن پر شریعت کی طرف سے کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، مثلاً باپ ہے، بیٹوں کی ذمہ داری اس کے سر پر ہے، لہٰذا اگر کوئی گھر کا بڑا ہے، یا خاندان کا سربراہ ہے، اور وہ اپنے چھوٹوں اور جو افراد اس کے زیر نگرانی ہیں، ان کے حالات معلوم کرے، کہ کہیں یہ غلط راستے پر تو نہیں جا رہے ہیں، کہیں یہ بگڑ تو نہیں رہے ہیں، یہ اس ممنوع تجسس میں داخل نہیں، کیونکہ باپ کا فرض ہے کہ اگر اولاد غلط راستے پر جا رہی ہو تو اس کو سیدھے راستے پر لانے کی کوشش کرے، لہٰذا اگر باپ اپنی اولاد کے معاملات کی تحقیق کرتا ہے تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے۔

حاکم اور ذمہ دار کے لئے تجسس جائز ہے

یا کوئی حکمران ہے، وہ اپنی رعایا اور عوام کے حالات کی تحقیق کرتا ہے کہ کوئی شخص ایسا جرم تو نہیں کر رہا ہے کہ اس کا برا اثر سارے معاشرے پر پڑے، اس حکمران کے لئے ایسی تحقیق کرنا اور جستجو کرنا جائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی ادارے کا ذمہ دار ہے، اور وہ یہ تحقیق کرتا ہے کہ جو لوگ میرے ادارے میں ملازمت کر رہے ہیں، کام کر رہے ہیں، وہ اپنا کام صحیح کرتے ہیں یا نہیں؟ کام چوری تو نہیں کرتے، وقت ضائع تو نہیں کرتے، یہ ساری باتیں دیکھنے

کے لیے وہ تجسس کرے تو اس کے لئے جائز ہے، بلکہ یہ اس کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔

کون سا تجسس حرام ہے؟

اسی طرح اگر کسی کے بارے میں یہ اندیشہ ہو کہ یہ آدمی دوسرے کو نقصان پہنچا دے گا، اب آدمی اس خیال سے تجسس کرے تاکہ میں اس آدمی کو بتادوں کہ تمہیں یہ نقصان پہنچنے والا ہے، اس سے اپنی حفاظت کرو، ایسی صورت میں بھی تجسس کی اجازت ہے۔ لیکن جس تجسس کو قرآن کریم نے یہاں منع کیا ہے، اور یہ کہا کہ دوسروں کے خفیہ راز معلوم کرنے کی کوشش نہ کرو، اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگوں کا مزاج اور طبیعت ایسی ہوتی ہے کہ وہ دوسرے کے معاملات کی تحقیق کو خواہ مخواہ اپنے ذمہ لیتے ہیں، نہ وہ کوئی سربراہ ہیں، نہ وہ اس کے مصلح اور مربی ہیں، نہ استاد ہیں، نہ حاکم ہیں، لیکن بس اس فکر میں ہیں کہ دوسرے کی کوئی برائی معلوم ہو جائے، دوسرے کا کوئی راز پتہ چل جائے، اس غرض کے تحت وہ تجسس میں لگ جاتے ہیں، اب چوری چھپے اس کی بات سن لیتے ہیں، چوری چھپے اس کو دیکھتے ہیں کہ وہ تنہائی میں کیا کر رہا ہے وغیرہ، قرآن کریم نے اس کو حرام کہا ہے کہ یہ تجسس ہے اور حرام ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ

واقعہ یاد آیا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب امیر المؤمنین تھے، آدھی سے زیادہ دنیا پر آپ کی حکومت تھی، ان کا معمول یہ تھا کہ وہ رات کو مدینہ منورہ کی گلیوں میں گشت کیا کرتے تھے، یہ دیکھنے کے لئے کہ کوئی ایسی بات تو

نہیں ہورہی جو قابل اصلاح ہو، ایک مرتبہ آپ ایک مکان کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ اندر سے گانے بجانے اور شور شرابے کی آواز آرہی ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی حالت میں گھر کے اندر داخل ہو گئے، دیکھا کہ کچھ لوگ شراب پی رہے ہیں، اور گانے بجانے میں مست ہیں، اور فسق و فجور کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو پکڑ لیا، اور فرمایا کہ تم یہاں یہ گناہ کر رہے ہو، اور معاشرے میں فساد پھیلا رہے ہو، تو ان میں سے جو سب سے بڑا مجرم تھا، وہ بڑا چرب زبان تھا، اس نے کہا: امیر المومنین! ہم نے ایک گناہ کیا، یعنی شراب پی، لیکن آپ نے بہت سارے گناہ کر لئے، آپ نے پہلے تجسس کا گناہ کیا، جب کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے: "ولا تجسسوا" کہ تجسس نہ کرو، دوسرے یہ کہ گھر میں بلا اجازت داخل ہو گئے، جب کہ قرآن کریم کا کہنا ہے کہ جب تک اجازت نہ لی ہو، اس وقت تک دوسرے کے گھر میں داخل نہ ہو، تیسرے یہ کہ آپ نے بدگمانی کی، قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ بدگمانی مت کرو، لہٰذا آپ نے تو بے شمار گناہ کر لئے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ چونکہ تم نے یہ باتیں میرے بارے میں کہیں کہ میں نے اتنے سارے گناہ کر لئے ہیں تو یہ اپنی طرف سے دفاع ہوگا، اور میں اپنی طرف سے دفاع نہیں کرنا چاہتا، لہٰذا اس وقت تو تمہیں چھوڑ دیتا ہوں، اور صبح کو تمہیں بلاؤں گا۔ چنانچہ صبح کے وقت آپ نے ان کو بلایا، اور ان کو سمجھایا کہ اللہ کے بندو! یہ تجسس کا حکم اس وقت منع ہے کہ جب کسی انسان کے ذمہ کوئی ذمہ داری نہ ہو، میرے اوپر تو پورے ملک کی ذمہ داری عائد ہے، اس وجہ سے میں نے ایسا کیا، اگر میں ایسا نہ کروں تو پورے ملک میں فساد پھیل جائے۔

تجسس کی بنیاد پر پورے معاشرے میں فساد

غرض یہ کہ جس پر ذمہ داری ہے وہ تو بے شک تحقیق کرسکتا ہے، لیکن عام لوگ ایک دوسری کی کھوج میں لگ جائیں کہ دوسرا آدمی کیا کررہا ہے، یہ وہ تجسس ہے جس کو قرآن کریم نے منع کیا ہے، حرام قرار دیا ہے، اگر آپ معاشرے کے اندر نظر دوڑائیں تو یہ نظر آئے گا کہ آج معاشرے میں بہت سے فساد اس کی وجہ سے پھیل رہے ہیں، بعض لوگوں کا مزاج ہوتا ہے وہ یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے کا راز کسی طرح معلوم ہو جائے، اور اس سے بڑے فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ تم نے چھپانا چاہا تھا، لیکن ہمیں پتہ لگ گیا، گویا کہ ایک گناہ پر فخر کررہے ہیں، اگر ایک مسلمان اپنی کسی بات کو تم سے چھپانا چاہتا ہے تو تمہارے لئے جائز نہیں کہ اس کو معلوم کرنے کی کوشش کرو۔

یہ تجسس میں داخل ہے

یا مثلاً کوئی آدمی ٹیلیفون میں کسی سے بات کررہا ہے، اور آپ چھپ کر دوسرے ٹیلیفون کے ذریعہ اس کی باتیں سنیں، یہ تجسس میں داخل ہے، حرام اور ناجائز ہے، اس لئے کہ آپ دوسرے کی باتیں اس کی اجازت کے بغیر سننا چاہ رہے ہیں۔ یا مثلاً دو آدمی آپس میں کسی کام کے بارے میں مشورہ کررہے ہیں، تو اب تیسرے آدمی کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان کے درمیان دخل اندازی کرے، اور ان کی باتیں سننے کی کوشش کرے، آج کل ٹیلیفون کے اندر یہ مسئلہ بکثرت پیش آتا ہے کہ دوسرے کی لائن اتفاق سے مل گئی، اب بیٹھ کر سن رہے ہیں کہ کیا باتیں ہورہی ہیں، حالانکہ دوسرے کی باتیں اس کی اجازت کے بغیر سننا حرام ہے، گناہ کبیرہ ہے، جو شخص اپنی

باتیں آپ سے چھپانا چاہتا ہے آپ کے لئے جائز نہیں کہ اس کی باتیں سنیں۔

ایسے سوالات بھی مت کرو

بہت سے آدمی کسی آدمی سے ایسے سوالات کرتے ہیں کہ جن کا وہ جواب دینا نہیں چاہتا، یا جس کو وہ چھپانا چاہتا ہے، مثلاً کوئی شخص اپنی آمدنی آپ کو بتانا نہیں چاہتا، کہ میری آمدنی کتنی ہے، اب اس سے سوال کریں کہ آپ کی آمدنی کتنی ہے؟ آپ کو کتنی تنخواہ ملتی ہے؟ اگر وہ بتانا نہیں چاہتا تو آپ کے لئے ایسا سوال کرنا بھی جائز نہیں۔ چونکہ آپ کو پتہ نہیں کہ اس کو یہ سوال پسند آئے گا یا نہیں؟ اس لئے ایسا سوال دوسرے سے کرنا ہی نہیں چاہئے۔ اسی طرح ایسا سوال کرنا کہ اس کے جواب کے نتیجے میں اس کا پوشیدہ عیب ظاہر کروانا مقصود ہو، یہ بھی جائز نہیں، اس لئے کہ آپ کو دوسرے کے عمل کے بارے میں کیا پڑی ہے کہ دوسرا شخص کیا عمل کر رہا ہے، قبر میں میدان حشر میں آپ سے نہیں پوچھا جائے گا کہ دوسرے کے اعمال کیا تھے؟ تمہیں تو اپنے اعمال کا جواب دینا ہے، لہٰذا تم دوسرے کی کھوج میں دوسرے کی فکر میں مت پڑو۔

حضرت خواجہ صاحبؒ کا واقعہ

ہمارے بزرگوں نے تو اس میں یہاں تک احتیاط کی ہے کہ اگر فرض کرو کہ دو آدمی آپس میں باتیں کر رہے ہیں، اور ایسی زبان میں باتیں کر رہے ہیں کہ جس کے بارے میں ان کا خیال یہ ہے کہ تیسرا آدمی یہ زبان نہیں جانتا، جبکہ آپ وہ زبان جانتے ہیں، ایسی صورت میں ان کو بتا دینا چاہئے کہ میں یہ زبان جانتا ہوں۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے خلیفہ تھے حضرت خواجہ عزیز

الحسن مجذوبؒ، یہ اس زمانے میں ڈپٹی کلکٹر تھے، اور اس زمانے میں ''ڈپٹی کلکٹر'' بڑا اونچا عہدہ ہوا کرتا تھا، انگریزی پڑھے ہوئے تھے، لیکن حضرت تھانویؒ کی صحبت میں آکر ان کا ایسا رنگ بدلا تھا کہ سر سے لے کر پاؤں تک دیکھنے میں مسجد کے ملا نظر آتے تھے، یا دینی مدرسہ کا کوئی طالبعلم ہے، حلیہ، سراپا، داڑھی، ٹوپی، کرتا، ٹخنوں سے اونچا پائجامہ تھا، ایک مرتبہ یہ ریل گاڑی میں سفر کر رہے تھے، گاڑی میں پہلے سے دو آدمی سوٹ پہنے بیٹھے ہوئے تھے، ان دونوں نے انگریزی زبان میں کوئی خفیہ بات کرنی شروع کردی، تا کہ یہ نہ سمجھیں، حضرت مجذوب صاحبؒ کو اندازہ ہوگیا کہ یہ لوگ انگریزی میں اس لئے باتیں کر رہے ہیں تا کہ میں نہ سمجھ سکوں، اور بات بھی مجھ سے چھپانا چاہتے ہیں۔ حضرت مجذوب صاحب نے ان سے فرمایا کہ میں آپ سے ایک گزارش کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ آپ کو بتادوں کہ مجھے انگریزی زبان آتی ہے، لہٰذا اگر آپ مجھ سے چھپا کر کوئی بات کرنا چاہتے ہیں، تو میں یہاں سے چلا جاتا ہوں، کیونکہ اگر آپ یہ سمجھ کر انگریزی میں بات کریں گے کہ میں نہیں سمجھوں گا تو میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ میں انگریزی سمجھتا ہوں، لہٰذا کہیں آپ دھوکہ میں نہ رہیں، اور کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی خفیہ بات میں سن لوں، یہ بات ان پر واضح کردی، کیوں کردی؟ اس لئے کہ قرآن کریم کا یہ حکم ہے کہ دوسرے کی بات سننے کی کوشش نہ کرو، جبکہ وہ تمہیں سنانا نہیں چاہتا، وہ تمہیں بتانا نہیں چاہتا، تو اس سے بالکل الگ ہو جاؤ، اور اس کو بتادو تا کہ وہ اگر اپنی بات خفیہ رکھنا چاہتا ہے تو خفیہ رکھ سکے۔

حضرت گنگوہیؒ کا واقعہ

اسی طرح ایک واقعہ غالباً حضرت گنگوہیؒ کے ساتھ پیش آیا، کہ وہ کہیں سفر

میں جا رہے تھے، آنکھیں بند کر کے لیٹے تھے، ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے وہ سو رہے ہیں، دو آدمی برابر میں بیٹھے ہوئے تھے، وہ آپس میں کچھ باتیں کرنے لگے، حضرت کو اندازہ ہوا کہ یہ لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں سو گیا ہوں، اس وجہ سے مجھ سے چھپانے والی باتیں آپس میں کر رہے ہیں، حضرت نے سوچا کہ ان کو بتا دینا چاہئے کہ میں جاگ رہا ہوں، ورنہ یہ خیانت ہو جائے گی، چنانچہ ان کو بتا دیا کہ معاف کرنا میں ابھی سویا نہیں ہوں، آپ کی باتیں میں سن رہا ہوں، لہٰذا یہ سمجھ کر آپ باتیں نہ کریں کہ میں سو رہا ہوں، ہمارے بزرگوں نے قرآن کریم کے اس حکم پر عمل کرنے میں اتنی احتیاط کی ہے۔

تجسس بے شمار گناہوں کا ذریعہ ہے

اگر کوئی شخص آپ کو کوئی بات بتانا نہیں چاہتا، بلکہ آپ سے چھپانا چاہتا ہے تو آپ کا کام یہ ہے کہ اس کے پاس سے ہٹ جاؤ، اور اس کی تحقیق اور جستجو میں مت پڑو، آج کل یہ حکم بڑا پامال ہو رہا ہے، ہمارے معاشرے میں یہ وبا پھیلی ہوئی ہے کہ دوسرے کے راز معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور یہ درحقیقت غیبت کا پہلا قدم ہوتا ہے، کیونکہ اگر آپ کو دوسرے کا کوئی راز معلوم ہو گیا، یا کوئی برائی معلوم ہو گئی تو کل کو وہ برائی دوسروں کے سامنے بیان کرتے پھرو گے، اور غیبت کرو گے، اور اگر پوری بات معلوم نہ ہو سکی تو بدگمانی کرو گے، اور پھر اس کے نتیجے میں دوسرے پر بہتان لگاؤ گے۔ لہٰذا یہ تجسس بہت سے گناہوں کا مقدمہ بن جاتا ہے، یہ تجسس بدگمانی کا ذریعہ بنتا ہے، غیبت کا ذریعہ بنتا ہے، بہتان کا ذریعہ بنتا ہے، اور اس کے نتیجے میں لوگوں کے درمیان دشمنیاں عداوتیں لڑائی اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔

چار گناہوں کا مجموعہ

کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ فرض کرو کہ آپ نے چھپ کر کسی کی بات سن لی، اب بات پوری تو سنی نہیں، کوئی ادھوری بات سن لی، اب اس ادھوری بات کو سن کر آپ نے قیاسات کا محل تعمیر کرنا شروع کر دیا کہ اس نے یوں کہا ہوگا، فلاں بات کہی ہوگی، فلاں بات کہی ہوگی، اور اس کی بنیاد پر بات آگے چلتی کر دی، تو اس میں غیبت الگ، بہتان الگ، تجسس الگ، بدگمانی الگ، اس طرح آپ کا یہ عمل چار گناہوں کا مجموعہ ہو گیا، اور اس کے نتیجے میں فساد پھیل گیا، جب وہ بات آگے پھیلے گی اور پھر حقیقت کھلے گی تو پتہ چلے گا کہ بات اتنی سی تھی، اور اس کو بڑھا کر اتنا کر دیا گیا۔

دوسروں کے بجائے اپنی فکر کریں

چونکہ اللہ جل شانہ سے زیادہ انسان کے نفس کی چوریوں کو کون جان سکتا ہے، لہٰذا وہ ہماری نفسیاتی بیماریوں کو اور نفس کی چوریوں کو پکڑ کر بتا رہے ہیں کہ خدا کے لئے یہ کام نہ کرو، ہر انسان کو اپنی قبر میں سونا ہے، ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو کر اپنے اعمال کا جواب دینا ہے، دوسروں کے اعمال کی فکر آپ کے ذمہ نہیں ہے۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ سے کسی شخص نے سوال کیا کہ یزید فاسق تھا یا نہیں؟ اور وہ جنتی ہے یا جہنمی؟ حضرت والد صاحب نے جواب دیا کہ میں اس کی فکر کیا کروں کہ وہ فاسق تھا یا فاجر تھا، مجھے تو اپنی فکر پڑی ہوئی ہے کہ کہیں میں تو فاسق نہیں ہوں، میں اس کی فکر کیا کروں کہ وہ جنتی تھا یا جہنمی تھا، مجھے تو اپنی فکر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے کہاں بھیجیں گے؟ مجھے نہ اس

کے اعمال کا جواب دینا ہے، اور نہ کوئی مجھ سے قبر میں اس کے بارے میں سوال کرے گا، نہ حشر میں مجھ سے اس بارے میں سوال ہوگا، اور نہ اس کے عمل کی کوئی ذمہ داری مجھ پر ہے، اور نہ کوئی مجھ سے یہ پوچھے گا کہ یزید فاسق تھا یا نہیں؟ اور جب تک تم یہ نہیں بتاؤ گے اس وقت تک تمہیں جنت نہیں ملے گی، قرآن کریم کا تو یہ ارشاد ہے کہ:

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (سورۃ البقرۃ: آیۃ ۱۴۱)

یہ لوگ تھے جو گزر گئے، ان کے اعمال ان کے ساتھ ہیں، تمہارے اعمال تمہارے ساتھ ہیں، تم سے نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ لوگ کیا عمل کرتے تھے۔ لہٰذا میں اس بحث میں نہیں پڑتا کہ یزید فاسق تھا یا نہیں؟ مجھے تو اپنی فکر ہے کہ میرے اعمال کیسے ہیں؟

خلاصہ

بہرحال! قرآن کریم ہمیں اور آپ سب کو یہ سبق دیتا ہے کہ بھائی! اپنی فکر کرو، اپنے اعمال کو درست کرنے کی کوشش کرو، اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس پیدا کرو، اور اس قابل بنو کہ جب تم اللہ تعالیٰ کے سامنے جاؤ تو تمہارا دامن پاک صاف ہو، دوسروں کی فکر کی کیا ضرورت ہے کہ دوسرا کیا کر رہا ہے؟ دوسرے میں کیا عیب ہے؟ اور دوسرے کی کتنی آمدنی ہے؟ دوسرے کا کیا خرچ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے یہ فکر تمہارے ذمہ نہیں ڈالی:

تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

یہ ہے پیغام جو اس آیت کریمہ کے اس مختصر جملے "ولا تجسسوا" نے دیا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کو سمجھنے کی بھی توفیق عطا فرمائے، اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

غیبت مت کیجئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غیبت مت کیجئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا، اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ، وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ○ (سورۃ الحجرات: ۱۲)

آمنت باللہ صدق اللہ العظیم، و صدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین، والحمد للہ رب العلمین۔

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! یہ سورت الحجرات کی ایک آیت ہے جو میں نے آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی ہے، اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ

نے ہمیں اور آپ کو تین گناہوں سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے، جن میں سے پہلا گناہ بدگمانی ہے کہ کسی شخص کے خلاف کسی دلیل اور تحقیق کے بغیر بدگمان ہو جانا، اور اس کی کسی برائی کا یقین کر بیٹھنا، یہ بدگمانی ناجائز اور حرام ہے، اور اس آیت میں اس سے اجتناب کی تلقین فرمائی ہے۔ دوسرا گناہ "تجسس" ہے، یعنی دوسرے کی جاسوسی کرنا، دوسرے کے اندرونی حالات کی ٹوہ لگانا، اس سے بھی اس آیت میں منع فرمایا ہے، ان دونوں گناہوں کا بیان گذشتہ جمعوں میں ہو چکا ہے۔

غیبت کی تعریف

تیسرا گناہ جس کا اس آیت میں ذکر ہے، وہ ہے "غیبت" چنانچہ ارشاد فرمایا کہ "وَ لَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا" یعنی تم ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو، یہ بڑا اہم حکم ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دیا ہے۔ غیبت کے کیا معنی ہیں؟ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ غیبت کیا ہے؟ بعض روایات میں آتا ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ جانتے ہو کہ غیبت کیا ہوتی ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ہی بتا دیں، آپ نے اس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ذکرك اخاك بما یکرہ. یعنی اپنے کسی مسلمان بھائی کا اس کی پیٹھ پیچھے ایسے انداز میں ذکر کرنا کہ جب اس کو پتہ چلے کہ میرا اس طرح ذکر کیا گیا ہے تو اس کو ناگوار گزرے، وہ اس کو ناپسند کرے، اس کو غیبت کہتے ہیں۔ ایک صحابی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! جو بات میں اپنے مسلمان بھائی کے بارے میں ذکر کر رہا ہوں، اگر وہ سچی ہو، اور وہ برائی اس کے اندر موجود ہو، کیا پھر بھی گناہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ برائی اس کے اندر موجود ہے تب ہی تو یہ غیبت ہے، اور اگر وہ

برائی اس کے اندر موجود نہیں ہے، اور تم اس کی طرف جھوٹ منسوب کر رہے ہو، تو پھر اس میں بہتان کا گناہ بھی شامل ہے۔ یعنی غیبت تو اسی وقت ہوتی ہے جب وہ بات جو تم اس کے بارے میں کہہ رہے ہو، وہ سچی ہے، اور وہ برائی اس کے اندر موجود ہے۔ لیکن چونکہ تم پیٹھ پیچھے کہہ رہے ہو، اس لئے وہ گناہ ہے، اور غیبت ہے، اور اگر تم جھوٹی بات کہہ رہے ہو تو پھر ڈبل گناہ ہے، ایک غیبت کا گناہ، اور ایک بہتان کا گناہ، اس لئے کہ تم نے اس پر جھوٹا بہتان لگادیا ہے۔

یہ غیبت کے اندر داخل ہے

یہ صحیح حدیث ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کی تشریح فرمائی ہے، اور اس حدیث کے ذریعہ یہ غلط فہمی دور ہو جاتی ہے کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم جو بات فلاں شخص کے بارے میں کہہ رہے ہیں کوئی جھوٹ تھوڑی کہہ رہے ہیں، ہم تو سچ کہہ رہے ہیں کہ واقعی اس کے اندر یہ برائی پائی جاتی ہے، وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ غیبت نہیں ہوئی۔ لیکن اس حدیث نے بتادیا کہ اگر تم سچی بات اس کے پیٹھ پیچھے کہہ رہے ہو، مگر اس کو یہ تذکرہ ناگوار ہو تو وہ غیبت میں داخل ہے، اور اگر جھوٹ بولا ہے تو یہ بہتان بھی ہے، ڈبل گناہ ہے۔

اس طرح کی غیبت بھی جائز نہیں

بعض لوگ غیبت کو جائز کرنے کے لئے یہ کہہ دیتے ہیں کہ میں تو یہ بات اس کے منہ پر کہنے کو تیار ہوں، اس کے ذریعے وہ بتانا چاہتے ہیں یہ غیبت نہ ہوئی، یہ خیال بھی غلط ہے، ارے منہ پر کہنا ہو تو بیشک کہو، لیکن منہ پر کہنا بھی اس وقت جائز ہے جب خیر خواہی کے لئے کہہ رہے ہو، فرض کرو کہ ایک آدمی نماز نہیں پڑھتا، آپ

اس کو محبت سے، پیار سے، ہمدردی سے کہیں کہ بھائی جان! نماز فرض ہے، آپ نماز پڑھا کریں، اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر عیب لگانے کی غرض سے، بدخواہی کی نیت سے، ذلیل کرنا، رسوا کرنا مقصود ہو تو پھر چاہے اس کے منہ پر کہو، تو بھی حرام ہے۔ اور پیٹھ پیچھے کہنا تو کسی حال میں جائز نہیں، اس لئے کہ اگر آپ کو اس کے ساتھ ہمدردی مقصود ہوتی، خیر خواہی اور اس کی اصلاح مقصود ہوتی تو براہ راست اس سے وہ بات کہتے کہ بھائی، آپ کے بارے میں یہ خبر ملی ہے، یہ بات اچھی نہیں ہے، آپ اپنی حالت درست کر لیجئے، لیکن آپ اس کے پیچھے دوسرے لوگوں کے سامنے کہہ رہے ہیں، اس میں کوئی خیر خواہی نہیں، بلکہ بدخواہی ہے، اور اسی وجہ سے حرام اور ناجائز ہے۔

قرآن کریم میں غیبت کی شناعت

آج ہمارا معاشرہ اس گناہ سے بھرا ہوا ہے، شاید ہی کوئی مجلس خالی ہوتی ہو، جس میں کسی کی غیبت نہ ہوتی ہو، اور صبح سے لے کر شام تک، ہماری نشست و برخاست، ہمارا اٹھنا بیٹھنا، ہماری گفتگو غیبت سے بھری ہوئی ہے۔ اور یہ گناہ اتنا شدید ہے کہ اس آیت کے اگلے حصے میں جو الفاظ غیبت کے بارے میں استعمال فرمائے، وہ کسی اور گناہ کے بارے میں استعمال نہیں فرمائے، فرمایا کہ:

أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ

کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ اگر کوئی تم کو ایسا گوشت کھانے کو کہے تو تم کو ناگوار ہوگا، اور تمہیں نفرت ہوگی۔ یعنی ایک تو انسان کا گوشت، یہ خود قابل نفرت چیز تھی، اور انسان بھی مردہ، اور مردہ بھی اپنا بھائی، تو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا کتنی قابل نفرت چیز

ہے، کتنی گھناؤنی بات ہے، فرمایا کہ غیبت کرنا بھی ایسا ہی ہے، کیونکہ وہ آدمی جس کی تم غیبت کر رہے ہو، وہ اس وقت مجلس میں موجود نہیں ہے، وہ ایسا ہی ہے جیسا تمہارا مردہ بھائی ہے، اور اس وقت موجود نہیں ہے، اور یہ جو تم اس کی برائی کر رہے ہو، تو یہ تم اس کا گوشت کھا رہے ہو، قرآن کریم نے غیبت کی اتنی زبردست وعید بیان فرمائی ہے۔

غیبت زنا سے بدتر گناہ ہے

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کے لئے جو الفاظ استعمال فرمائے ہیں، وہ سب کے لئے لمحہ فکریہ ہے، چنانچہ فرمایا کہ:

الغیبت اشد من الزنا

یعنی غیبت زنا سے بھی زیادہ سنگین گناہ ہے۔ آپ ذرا یہ سوچیں کہ زنا اور بدکاری کے عمل کو کوئی بھی شریف آدمی پسند نہیں کرتا، ساری دنیا کے تمام مذاہب اس عمل کو حرام اور ناجائز کہتے ہیں، اور بے حیائی سمجھتے ہیں، کوئی بھی اس کو پسند نہیں کرتا، اگر معاشرے میں کوئی شخص اس کے اندر مبتلا ہو تو سارے معاشرے میں اس کی تھو تھو ہو جائے کہ یہ شخص ایسا بدکار ہے، لیکن حدیث میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ غیبت اس سے بھی زیادہ سنگین گناہ ہے، کیوں؟ اس لئے کہ زنا کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہے، اگر کبھی توبہ کی توفیق ہوگئی، اور اس نے سچے دل سے توبہ کر لی، اور اپنے فعل پر نادم ہوا، شرمسار ہوا، رویا گڑگڑایا، اور یہ عہد کر لیا کہ آئندہ کبھی اس گناہ کے پاس نہیں جاؤں گا، تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔

غیبت میں دوسرے مسلمان کی آبرو پر حملہ ہے

لیکن غیبت کا تعلق حقوق العباد سے ہے، یعنی غیبت کرنے والے نے

بندے کا حق پامال کردیا، اور اس کی آبرو پر حملہ کیا ہے، اور کسی بھی مسلمان کی آبرو پر حملہ کرنا، اور اس کو بے آبرو کرنا، یہ اتنا زبردست گناہ ہے کہ حدیث شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کعبہ شریف کا طواف کررہا تھا، طواف کرتے ہوئے آپ نے کعبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، اے بیت اللہ! تو کتنا عظیم ہے، تیری حرمت کتنی عظیم ہے، تیرا تقدس کتنا اونچا ہے، لیکن ایک چیز ایسی ہے جس کی حرمت تجھ سے بھی زیادہ ہے، وہ ہے مسلمان کی جان، اس کا مال اور اس کی آبرو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی جان پر، یا اس کے مال پر، یا اس کی آبرو پر حملہ کرتا ہے تو اس کا گناہ کعبہ پر حملہ کرنے سے بھی زیادہ ہے۔

ہم روزانہ بیت اللہ ڈھار ہے ہیں

ذرا تصور کریں کہ اگر کوئی شخص بیت اللہ شریف کی بے حرمتی کرے، اس پر حملہ آور ہو، یا اس کو منہدم کرنے کی کوشش کرے، اور اس کو شہید کرنے کی کوشش کرے تو سارا عالم اسلام اس کے خلاف کھڑا ہو جائے گا، سارے عالم اسلام میں ایک غم و غصہ کی لہر دوڑ جائے گی، اور وہ اس بات کو کبھی برداشت نہیں کریں گے، لوگ اپنی جانیں دیدیں گے، لیکن کعبہ کی بے حرمتی برداشت نہیں کریں گے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمار ہے ہیں کہ بے شک کعبہ کی حرمت ایسی ہی ہے کہ آدمی اس کے لئے جان بھی دیدے، لیکن ایک مسلمان کی جان، مال و آبرو کی حرمت اس سے بھی زیادہ ہے۔ ہم لوگ روزانہ مسلمانوں کی آبروؤں پر حملے کرتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم روزانہ کعبہ کو ڈھار ہے ہیں، اور پرواہ بھی نہیں کرتے، ہماری مجلسوں میں کتنے کعبے ہیں، جو اس طرح ڈھائے جار ہے ہیں، مسلمانوں کی جانوں

پر، ان کے مال پر اور ان کی آبرو پر حملے ہو رہے ہیں۔ جان پر حملہ یہ بھی ہے کہ کسی کو قتل کر دے، جان پر حملہ یہ بھی ہے کہ کسی کو تکلیف پہنچا دے، مال پر حملہ یہ بھی ہے کہ اس سے ناحق طریقے سے مال وصول کرے، اس سے رشوت لے، یا اس کو دھوکہ دے کر مال وصول کر لے، یہ سب مال پر حملے میں داخل ہے۔

غیبت کا گناہ صرف توبہ سے معاف نہیں ہوگا

اور آبرو پر حملہ کرنے میں غیبت بہتان، دل آزاری، گالی گلوچ یہ سب داخل ہیں، لہٰذا یہ اتنا بڑا گناہ ہے، اور چونکہ حقوق العباد سے اس کا تعلق ہے، اور حقوق اللہ تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے صرف توبہ سے بھی معاف فرما دیتے ہیں، لیکن اگر کسی بندے کا حق پامال ہوا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تک اس بندے کا حق ادا نہیں ہوگا، یا جب تک وہ معاف نہیں کرے گا، اس وقت تک میں بھی معاف نہیں کروں گا۔ اب بتائیے! جن جن کی ہم غیبت کرتے رہتے ہیں، ان کی معافی کا کیا طریقہ ہے؟ فرض کریں کہ ندامت بھی ہوئی، توبہ کی توفیق بھی ہوئی، اور توبہ بھی کر لی، لیکن اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ میرے جن بندوں کے حقوق پامال کئے ہیں، ان سے معافی مانگ لو۔ اب تم کہاں ان کو تلاش کرو گے؟ اور کس طرح ان سے معافی مانگو گے؟ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت کا گناہ زنا سے بھی زیادہ سنگین ہے، اس لئے کہ زنا کی معافی توبہ کرنے کے بعد آسان ہے، لیکن غیبت کی معافی آسان نہیں، اتنا سنگین گناہ ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ اس سنگینی کے باوجود اس کو شیر مادر کی طرح حلال سمجھا ہوا ہے، مجلسیں غیبتوں سے بھری ہوئی ہیں، کوئی مجلس اس سے خالی نہیں، افسوس یہ ہے کہ اس کی برائی دلوں سے مٹ گئی ہے، اس کی قباحت دلوں سے جاتی رہی ہے، غیبت کرتے وقت یہ خیال ہی نہیں آتا

کہ ہم کوئی گناہ کر رہے ہیں۔

معافی مانگنا کب ضروری ہے؟

بہر حال! یہ بہت ہی اہم ہدایت ہے، جو قرآن کریم نے ہمیں اس آیت میں دی ہے، ہم سب کو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہئے، صبح سے لے کر شام تک کی زندگی پر نظر دوڑانی چاہئے کہ ہم کہاں کہاں کس کس کی غیبت کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے غیبت کے گناہ سے معافی کا ایک راستہ یہ بھی رکھا ہے کہ اگر آپ کی غیبت کرنے کی خبر اس شخص کو پہنچ گئی ہے جس کی آپ نے غیبت کی ہے تب تو اسی سے معافی مانگنا ضروری ہے، لیکن اگر ابھی تک اس کو خبر نہیں پہنچی تو امید ہے کہ تنہا توبہ کرنے سے بھی وہ گناہ معاف ہو جائے گا، اس لئے کہ جب اس کو تمہاری غیبت کی خبر پہنچی تو اس سے اس کو جو رنج ہوا، جو صدمہ ہوا، اس کو جو دل دکھا تو اس کی وجہ سے اسی سے معافی مانگنا ضروری ہے، لیکن اگر اس کو خبر نہیں پہنچی تو ابھی تک یہ معاملہ اس کی دل شکنی تک نہیں پہنچا، تو امید یہ ہے کہ اگر صرف توبہ کر لو گے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے۔

بڑا حکیمانہ جملہ تھا

اب تو ہر چیز کی قدریں بدل گئی ہیں، تہذیب اور تمدن کا انداز ہی بدلا ہوا ہے، آپ نے سنا ہوگا کہ پہلے ہمارے بڑوں میں یہ طریقہ رائج تھا کہ جب کہیں سفر کے لئے رخصت ہو رہے ہوتے تھے تو اس وقت اپنے عزیز و اقارب اور دوست احباب سے کہتے کہ بھائی ہمارا کہا سنا معاف کر دینا، یہ جملہ تقریباً ہر شخص کی زبان پر ہوتا تھا، یہ بڑا حکیمانہ جملہ تھا۔ وہ اس طرح کہ ہو سکتا ہے کہ میں نے تمہارے

بارے میں کوئی بات کہدی ہو، جو تمہیں ناگوار ہوئی ہو، اور اس سے تمہارا حق پامال ہوا ہو تو خدا کے لئے معاف کر دینا، سامنے والا کہتا ہے کہ میری طرف سے معاف ہے، اس طرح معافی ہو جاتی ہے، اب چونکہ معاشرے کی قدریں ہی بدل گئی ہیں، وہ روایتیں ہی ختم ہو گئی ہیں، اب یہ جملہ بہت کم سننے میں آتا ہے، لیکن بڑا حکیمانہ جملہ ہے۔

غیبت سے بچنے کا طریقہ

اب کہاں آدمی کو یاد رہتا ہے کہ میں نے کس موقع پر کس کی غیبت کی تھی، تو کم از کم یہ کر لے کہ جتنے لوگوں سے ملاقات ہے، ملنا جلنا ہے، ان سے کسی موقع پر اتنا ہی کہہ لو کہ بھائی میرا کہا سنا معاف کر دینا، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے، انشاء اللہ۔ بہر حال! اول تو اس بات کا اہتمام کریں کہ دوسرے کا ذکر برائی کے ساتھ کسی بھی حالت میں نہ آئے، بعض اوقات شیطان بہکاتا ہے کہ میں تو نیک نیتی سے اس کا ذکر کر رہا ہوں، حالانکہ نیک نیتی نہیں ہوتی، محض نفسانیت ہوتی ہیں۔ اس لئے دوسرے کا ذکر برائی سے کرنے سے بالکل پرہیز ہی کریں، یہ سمجھو کہ یہ جہنم کی آگ ہے، اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاتا ہے، زنا کاری سے بدتر گناہ ہے، اور ایسا گناہ ہے کہ جس کی معافی مشکل ہے، اس وجہ سے جب کبھی زبان اٹھنے لگے تو زبان کو لگام دیدو، اگر دوسرے لوگ غیبت کر رہے ہوں تو موضوع کا اور بات کا رخ بدل کر کسی اور طرف لے جاؤ، تاکہ مجلس میں غیبت نہ ہو، اس بات کی کوشش کرلو، اور اب تک جو غیبت ہوئی ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ جتنے ملنے جلنے والے ہیں ان سے یہ کہدو کہ بھائی میرا کہا سنا معاف کر دینا، کوئی حق تلفی ہوئی ہو تو معاف کر دینا۔

آج ہی معافی تلافی کرلو

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑی دردمندی سے فرماتے ہیں کہ اگر تم نے کسی پر ظلم کیا ہو تو آج اس کو معاف کروالو، ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس وقت معافی کا کوئی راستہ نہیں ہوگا، اگر تم نے کسی کا حق پامال کیا ہے، تو آج اگر اس کو پیسے دے کر معاف کرا سکتے ہو تو پیسے دے کر معاف کروالو، اگر خوشامد کر کے معاف کروا سکتے ہو تو خوشامد کر کے معاف کروالو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی دردمندی سے ہر مسلمان کو یہ تلقین فرمائی ہے، پتہ نہیں کب آنکھ بند ہو جائے، کب دنیا سے رخصت ہو جائے، اور معافی کا دروازہ بند ہو جائے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مجھے بھی اور آپ کو بھی معافی کی فکر عطا کرے، اور اس گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

کون سی غیبت جائز ہے؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم

گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

کون سی غیبت جائز ہے؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا، اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ، وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ○ (سورۃ الحجرات: ۱۲)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، و صدق رسولہ النبی الکریم، و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین، والحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! یہ سورۃ الحجرات کی ایک آیت ہے، جس کا

بیان گذشتہ چند جمعوں سے چل رہا ہے، اس آیت میں باری تعالیٰ نے جن کاموں سے بچنے کی ہمیں اور آپ کو تاکید فرمائی ہے، وہ تین گناہ ہیں، ایک بدگمانی کا گناہ، دوسرا تجسس کا گناہ، تیسرا غیبت کا گناہ۔ پہلے دو گناہوں کا بیان گذشتہ جمعوں میں تفصیل سے ہو چکا ہے، اور گذشتہ جمعہ میں غیبت کے بارے میں کچھ گزارشات عرض کی تھیں، جس کا حاصل یہ تھا کہ غیبت کرنا اتنا سنگین گناہ ہے کہ اس کو اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے کی مترادف قرار دیا گیا ہے، اور فرمایا کہ جس طرح تم اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کو ناپسند کرتے ہو، بلکہ اس کو بہت ہی سنگین جرم سمجھتے ہو، غیبت کرنا بھی ایسا ہی جرم ہے، اور اتنا ہی سنگین گناہ ہے۔

سچی بات کہنا بھی غیبت میں داخل ہے

پچھلے جمعے کو میں نے یہ حدیث آپ حضرات کو سنائی تھی کہ "اَلْغِيْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا" کہ غیبت زنا کاری سے بھی زیادہ سنگین جرم ہے۔ اب اسی غیبت کے بارے میں چند گزارشات عرض کرنی ہیں، کیونکہ اس کے بارے میں چند غلط فہمیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ ایک غلط فہمی جو لوگوں میں پائی جاتی ہے وہ پچھلے جمعہ بھی عرض کی تھی، وہ یہ کہ غیبت کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ ہم جو بات کہہ رہے ہیں وہ سچی بات ہے، ہم کوئی جھوٹ نہیں کہہ رہے ہیں، پچھلے جمعہ کو میں نے عرض کیا تھا کہ چاہے آدمی سچی بات کہے، لیکن وہ بات ایسی ہو کہ جس کی غیبت جا رہی ہے، اس کو ناگوار ہو، تو ایسی صورت میں سچی بات کہنا بھی ناجائز ہے، اور غیبت میں داخل ہے۔ اور اگر جو برائی آپ بیان کر رہے ہیں، وہ اس کے اندر نہیں ہے، تب تو دوہرا گناہ ہے، ایک غیبت کرنے کا، دوسرے بہتان لگانے کا گناہ، لیکن اگر وہ بات صحیح اور سچی ہے، تو پھر بہتان لگانے کا گناہ تو نہیں ہوگا، لیکن غیبت کرنے کا گناہ پھر بھی ہوگا،

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کی تعریف یہ فرمائی کہ: ذِکْرُكَ اَخَاكَ بِمَا یَکْرَهُ. یعنی اپنے بھائی کا اس طرح ذکر کرنا جو اس کو ناگوار ہو، یہ غیبت ہے، گناہ ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے، ہاں ایسی بات جو اس کو ناگوار ہی نہ ہو تو بیشک وہ کہہ سکتا ہے۔

یہ غیبت میں داخل نہیں

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کھلم کھلا برائی میں مبتلا ہوتے ہیں، ان کی وہ برائی ہر ایک کے سامنے ہے، اور ہر ایک کو معلوم ہے، مثلاً ایک شخص کھلم کھلا سگریٹ پیتا ہے، اگر آپ اس کا پیٹھ پیچھے یہ ذکر کریں کہ وہ صاحب تو سگریٹ پیتے ہیں، تو اس میں غیبت نہیں، اس لئے کہ وہ شخص تو خود ہی کھلم کھلا وہ کام کرتا ہے، اور اس طرح کا تذکرہ اس کو ناگوار بھی نہیں ہوگا۔ یا ایک شخص کھلم کھلا شراب پیتا ہے، اور اس کو اس عمل سے کوئی شرم نہیں، اور لوگوں سے اپنے اس عمل کو چھپاتا بھی نہیں ہے، تو اگر آپ اس کے پیچھے یہ کہیں کہ وہ شراب پیتا ہے تو یہ غیبت میں داخل نہیں، اس لئے کہ اس کو اس تذکرہ سے کوئی ناگواری نہیں ہوگی۔

یہاں ناگواری نہیں پائی جارہی ہے

اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: کل امتی معافا الا المجاهرون. یعنی میری امت میں جتنے لوگ ہیں، چاہے کیسی ہی غلطی میں مبتلا ہوں، ان کو معاف کر دیا جائے گا، سوائے ان لوگوں کے جو کھلم کھلا گناہ کرتے ہیں، ان کی معافی نہیں ہوگی، اور ایسے لوگوں کے اس گناہ کا تذکرہ ان کی پیٹھ پیچھے بھی کریں تو کوئی مضائقہ نہیں، جائز ہے، وہ غیبت میں داخل نہیں۔ اس

لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت یہ ہے کہ اپنے بھائی کا ذکر ایسے انداز میں کرنا کہ اس کو ناگوار ہو۔ یہاں تو اس کو ناگوار نہیں ہے، اس لئے کہ وہ تو خود کھلم کھلا یہ گناہ کرتا ہے۔ ایک آدمی ''فلم'' میں کام کرتا ہے، اس کو اس کام میں کوئی عار اور شرم نہیں ہے، اب اگر آپ پیٹھ پیچھے اس کا ذکر کریں گے کہ وہ تو فلم میں کام کرتا ہے تو یہ غیبت نہیں ہے، اس لئے کہ وہ تو کھلم کھلا یہ کام کر رہا ہے، اور اس تذکرہ سے اس کو ناگواری بھی نہیں ہوگی۔

یہ بھی غیبت میں داخل نہیں

دوسری بات جو یاد رکھنے کی ہے، وہ یہ کہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی شخص کے اندر کوئی برائی پائی جاتی ہے، اور اندیشہ اس بات کا ہے کہ اس برائی کی وجہ سے دوسرے شخص کو نقصان پہنچ جائے گا۔ مثلاً ایک آدمی دھوکہ باز ہے، لوگوں سے سودے کرتا ہے، معاملات کرتا ہے، اور اس میں ان کو دھوکے دیتا ہے، اب اگر یہ دھوکہ باز کسی کے پاس معاملہ کرنے کے لئے پہنچا، آپ نے دوسرے شخص کو بتادیا کہ ذرا اس سے ہوشیار رہنا، یہ دھوکہ باز ہے، اس کے معاملات اچھے نہیں ہیں، یہ بہت سے لوگوں کو دھوکہ دے چکا ہے۔ اب دوسرے کو نقصان سے بچانے کے لئے اس کی برائی کی جائے تو یہ غیبت نہیں، اور اس میں غیبت کرنے کا گناہ نہیں ہوگا، بلکہ دوسرے آدمی کی خیر خواہی کا ثواب ملے گا کہ آپ نے ایک مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کی، اور اس کو نقصان سے بچالیا۔

ایسی غیبت ضروری ہے

اسی طرح ایک آدمی کسی دوسرے کے گھر میں ڈاکہ ڈالنے کا پروگرام بنا رہا

ہے، اور آپ کو پتہ چل گیا، تو اگر آپ متعلقہ شخص کو بتادیں کہ ذرا ہوشیار رہنا فلاں آدمی تمہارے گھر میں ڈاکہ ڈالنے کا پروگرام بنا رہا ہے، اب یہ بیان کرنا بظاہر تو برائی ہے، اور اس ڈاکہ ڈالنے والے کو تمہارا یہ بتانا ناگوار بھی گزرے گا کہ اس نے میرا پروگرام بتادیا، لیکن شریعت نے اس کو جائز قرار دیا ہے، اس لئے کہ اگر آپ دوسرے کو نہیں بتائیں گے تو دوسرا مسلمان پریشانی میں مبتلا ہو جائے گا، اس کو پریشانی سے بچانے کے لئے اگر آپ اس کی برائی بیان کریں تو یہ شرعاً جائز ہے، بلکہ آپ کا فرض ہے کہ آپ ضرور اس کو اطلاع کریں۔

رشتے مشورے میں حقیقت کا اظہار

اسی طرح اگر کسی نے شادی کے لئے کسی کے ہاں رشتہ بھیج دیا، اب لڑکی والے آپ سے مشورہ کر رہے ہیں کہ فلاں کی طرف سے رشتہ آیا ہے، آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ اور آپ کو پتہ ہے کہ اس لڑکے کے اندر ایسی خرابیاں پائی جاتی ہیں جو آگے چل کر لڑکی کے لئے نقصان دہ ہو سکتی ہیں، اگر اس وقت آپ لڑکی والوں کو یہ بات بتادیں کہ اس لڑکے میں فلاں بات ہے، ذرا سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا، یہ بتادینا غیبت میں داخل نہیں، اس لئے کہ اگر آپ نہیں بتائیں گے اور لڑکی والے غلط فہمی میں رشتہ کرلیں گے تو لڑکی کی ساری زندگی پریشانی میں گزرے گی، اس پریشانی سے بچانے کے لئے اگر آپ اس کی حقیقی برائی بتادیں، یا آپ کو شبہ ہے تو اس شبہ کا اظہار کر دیں تو یہ غیبت نہیں۔ اصول یہ ہے کہ کسی دوسرے کو کسی نقصان سے بچانے کے لئے کسی کی برائی بیان کرنی پڑے تو یہ نہ غیبت ہے، نہ گناہ ہے، بلکہ ایک مسلمان کے ساتھ خیر خواہی ہے، اور باعث اجر و ثواب ہے، اب ہوتا یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کے سامنے ایسا موقع آتا ہے، لیکن وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر میں بتاؤں

گا تو یہ غیبت ہو جائے گی، اور اس وجہ سے وہ صحیح بات بتانے سے اجتناب کرتے ہیں، یہ شریعت کا تقاضہ نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ

ایک حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ایک آدمی دور سے آتا ہوا نظر آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ "بئس اخو العشیرۃ" یہ آدمی جو آرہا ہے، یہ اپنے قبیلے کا برا آدمی ہے، لیکن جب وہ آپ کے پاس ملاقات کے لئے آیا تو آپ اس کے ساتھ بہت اچھے اخلاق سے پیش آئے، اچھا سلوک کیا، جب وہ شخص چلا گیا تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ نے پہلے تو اس شخص کے بارے میں فرمایا کہ یہ بہت برا آدمی ہے، لیکن وہ جب آگیا تو آپ نے اس کا اکرام کیا، اور بڑی خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آئے، اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! تم نے مجھے بد اخلاق کب پایا؟ میں تو ہر ایک کے ساتھ خوش اخلاقی کا معاملہ کرتا ہوں، لیکن میں نے اس کے بارے میں اس لئے بتادیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آئندہ کبھی یہ شخص تمہیں دھوکہ دے جائے۔ یعنی تم اس کو اچھا سمجھ کر اس کے ساتھ کوئی معاملہ کر بیٹھو، اور بعد میں تمہیں پریشانی ہو، اس لئے میں نے تمہیں بتادیا، لیکن جہاں تک میرے اپنے برتاؤ کا تعلق ہے، تو میرا برتاؤ تو ہر ایک کے ساتھ خوش اخلاقی کا ہے، کبھی تم نے مجھے ایسا پایا کہ میں کسی کے ساتھ بد اخلاقی کی ہو؟ اب بظاہر دیکھنے میں یہ غیبت ہے، لیکن چونکہ آپ کو معلوم تھا کہ اگر یہ بات نہیں بتائی جائے گی تو اس آدمی سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یا ان کے متعلقین کو نقصان پہنچ سکتا ہے، اس لئے آپ نے پہلے سے

متنبہ فرمادیا، بہرحال! جہاں اس بات کا اندیشہ ہو وہاں بتانے میں کوئی حرج نہیں۔

راویوں کے حالات کی تحقیق

دیکھئے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی احادیث ہم تک پہنچی ہیں، وہ کس طرح پہنچی ہیں؟ وہ اس طرح پہنچی ہیں کہ ایک صحابی نے ایک حدیث دوسرے کو سنائی، دوسرے نے تیسرے کو سنائی، تیسرے نے چوتھے کو سنائی، یہاں تک کہ وہ حدیث ہم تک پہنچ گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی حفاظت کے لئے ایسے محدثین اور ایسے علماء پیدا کئے کہ جنہوں نے یہ کیا کہ جتنے روایت کرنے والے راوی ہیں، اور جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی بات منسوب کررہے ہیں، ان میں سے ایک ایک راوی کی پوری زندگی کا کچا چھٹا لکھ کر چلے گئے، مثلاً میرے پاس ایک حدیث پہنچی، میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ فلاں شخص نے فلاں کو یہ حدیث پہنچائی تھی، اور فلاں نے فلاں کو پہنچائی تھی، اس طرح درمیان میں آٹھ دس آدمی آگئے، اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ آٹھ دس آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو بات منسوب کررہے ہیں، یہ سچ منسوب کررہے ہیں، یا جھوٹ منسوب کررہے ہیں، یہ لوگ بھروسہ کرنے کے لائق ہیں یا نہیں؟ علماء جرح وتعدیل نے اس پر بڑی بڑی کتابیں لکھ دیں، جن میں ہر ایک راوی کا حال درج ہے، اس وقت دنیا میں حدیث کی دو سو سے زائد کتابیں ہیں، آپ ان میں سے کوئی بھی کتاب اٹھالیں، اور اس کتاب میں ایک ایک حدیث کے بارے میں لکھا ہوگا کہ یہ حدیث کس کس راوی نے روایت کی ہے، اور راویوں کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تک پہنچتی ہے، آج آپ ان راویوں میں سے کسی کے نام پر انگلی رکھ دیں، کتابوں کے اندر اس راوی کا پورا تذکرہ مل جائے گا کہ یہ راوی کہاں پیدا ہوا تھا،

کس کس سے پڑھا تھا، اس کا حافظہ کیسا تھا، اس کے اخلاق کیسے تھے؟ اور آیا یہ راوی بھروسے کے لائق ہے یا نہیں؟ یہ سب تفصیل موجود ہے، یہ علم کسی مذہب کسی ملت میں موجود نہیں، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں موجود ہے، اس علم کو ''اسماء الرجال'' کا علم کہا جاتا ہے، یعنی روایت کرنے والے آدمی کا علم۔

علم اسماء الرجال اور غیبت

یہ علم کیسے وجود میں آیا؟ یہ علم اس طرح وجود میں آیا کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے کھڑا کر دیا تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی حفاظت کریں، وہ ایک ایک راوی کے حالات کی چھان بین ان کی بستی میں جا کر کیا کرتے تھے۔ غالباً حضرت یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ جو اس علم کے امام ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم کسی بستی میں کسی راوی کے حالات معلوم کرنے جاتے، تو ہم اس کے خاندان کے بارے میں، اس کے اخلاق کے بارے میں، اس کی نماز کے بارے میں، اور اس کے کردار کے بارے میں سوالات کرتے تو بستی والے ہم سے پوچھتے کہ کیا ان کی طرف سے آپ کی کسی لڑکی کا رشتہ آیا ہے؟ اس لئے کہ اتنی تحقیق وہی کرتا ہے جس کے گھر رشتہ بھیجا گیا ہو۔ چنانچہ اگر ان راویوں کے اندر کوئی خرابی ہوتی تو وہ بتا دیتے تھے کہ اس کے اندر یہ خرابی ہے، مثلاً اس کا حافظہ کمزور ہے، اس پر بھروسہ نہیں کر سکتے، اس کا کردار اچھا نہیں ہے، کسی کے بارے میں کہتے کہ یہ جھوٹا ہے، کذاب ہے، اب بظاہر تو یہ غیبت ہے، اور اس لحاظ سے اسماء الرجال کا سارا علم غیبت پر مشتمل ہے، اس لئے کہ اس میں راویوں کی برائیاں بیان ہو رہی ہیں، لیکن یہ غیبت اس لئے کی جا رہی ہے تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی حفاظت کی جائے، اور لوگوں کو غلط قسم کے راویوں کے شر سے بچایا جائے، اس لئے یہ غیبت

جائز ہے۔

حدیث کے معاملے میں باپ کی بھی رعایت نہیں کی گئی

اور ان حضرات علماء نے اتنا اہتمام کیا کہ جب کسی حدیث کے بارے میں سوال کیا جاتا کہ فلاں شخص کی حدیث کیسی ہے؟ بھروسہ کے لائق ہے یا نہیں؟ تو اس میں نہ رشتہ کا خیال کیا، نہ قرابت داری اور خون کا خیال کیا، بلکہ جو حقیقت ہوتی وہ بیان کر دیتے۔ ایک مشہور محدث ہیں حضرت علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ، جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بھی استاذ ہیں، ان کے والد بھی حدیثیں بیان کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ دوسرے راویوں کے بارے میں بتاتے رہتے ہیں کہ فلاں بھروسے کے لائق ہے، اور فلاں بھروسے کے لائق نہیں ہے، لیکن آپ کے والد کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ پہلے تو حضرت علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کے بارے میں مجھ سے مت پوچھو، کسی اور سے پوچھ لو، اس لئے کہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ حتی الامکان انسان اپنے باپ کی برائی نہ کرے، اس لئے ان کے بارے میں دوسرے بڑے بڑے علماء سے پوچھ لو، سوال کرنے والے نے پوچھا کہ حضرت! میں ان کے بارے میں آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ یہ بتائیں کہ آپ کے والد حدیث میں کیسے ہیں؟ ان کی حدیثیں بھروسے کے لائق ہیں یا نہیں؟ حضرت علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا سر جھکا لیا، اور فرمایا کہ یہ دین کا معاملہ ہے، اس لئے میں صاف صاف کہتا ہوں کہ ان کی بیان کردہ حدیث بھروسے کے لائق نہیں۔

بیٹے کی رعایت نہیں کی گئی

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ جن کی سنن ابوداؤد کے نام سے کتاب صحاح ستہ

میں شامل ہے، ان سے ان کے بیٹے کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ حدیث میں کیسے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میرے بیٹے کی کوئی روایت بھروسے کے لائق نہیں، بہر حال! باپ ہو، یا بیٹا ہو، بھائی ہو، یا اور کوئی رشتہ دار ہو، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے معاملے میں ان حضرات نے کسی کے ساتھ رعایت کا معاملہ نہیں کیا۔ اب بظاہر تو پیٹھ پیچھے برائی ہو رہی ہے، اور غیبت ہو رہی ہے، لیکن اس کا مقصد چونکہ امت کو فتنے سے بچانا تھا، اور شر سے بچانا تھا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی حفاظت مقصود تھی، اس وجہ سے یہ غیبت نہیں تھی، بلکہ یہ بتانا جائز تھا۔

ظلم کا اظہار غیبت نہیں

بہر حال! اصول یہ ہے کہ جب کسی انسان کو کسی کے شر سے بچانے کے لئے اس کی برائی بیان کرنی پڑ جائے تو وہ گناہ نہیں، بلکہ وہ جائز ہے۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ ایک آدمی مظلوم ہے، اور اس کے ساتھ ظلم ہوا ہے، اگر وہ مظلوم کسی ایسے شخص کے پاس جا کر اپنا ظلم بیان کرے جو اس کے ظلم کو دور کر سکتا ہو، تو یہ غیبت نہیں، مثلاً ایک آدمی نے دوسرے کا مال چھین لیا، یا پیسے چھین لئے، اب اس نے اگر کسی پولیس والے کو بتایا کہ فلاں شخص نے میرے پیسے چھین لئے ہیں، اب بظاہر تو یہ پیٹھ پیچھے برائی بیان ہو رہی ہے، لیکن چونکہ یہ شخص مظلوم ہے، اس لئے اس کے بیان کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔

یہ غیبت نہیں

بلکہ ایسے حالات میں جن میں آپ اور ہم گزر رہے ہیں، اس میں جو بیچارہ

مظلوم ہوتا ہے، وہ پولیس کے پاس جاتے ہوئے بھی گھبراتا ہے، کہ وہاں جا کر الٹا میں بھی پھنس جاؤں گا، اس لئے کہ اگر عدالت میں معاملہ چلا گیا تو سالہا سال تک چکر کاٹتا پھروں گا، اور حاصل کچھ نہیں ہوگا۔ لہٰذا لوگ مظلوم ہونے پر صبر کر لیتے ہیں، اور متعلقہ حکام کے پاس جانے سے پرہیز کرتے ہیں، ایسے حالات میں اگر کوئی شخص مظلوم ہے، اور دادرسی کا کوئی راستہ نہیں ہے، تو کم از کم اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے اور اپنی مظلومیت کو ہلکا کرنے کے لئے اگر وہ شخص اپنے ظلم کو دوسرے کے سامنے بیان کرے کہ میرے ساتھ یہ ظلم ہوا، اگرچہ جس شخص کے سامنے اپنا مظلوم ہونا بیان کیا وہ عام شخص تھا، لیکن کم از کم وہ تسلی دے سکتا ہے کہ بھائی! ہمیں افسوس ہے، تمہارے ساتھ بہت برا ہوا، بڑی زیادتی ہوئی، اس طرح کے دو چار تسلی کے جملے کہہ دے گا تو کم از کم اس کے دل کا بوجھ تو ہلکا ہو جائے گا۔ اس مقصد کے لئے اگر کوئی شخص اپنی مظلومیت بیان کرے تو یہ غیبت نہیں، قرآن کریم کا ارشاد ہے: لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ (سورة النساء: ۱٤۸) یعنی اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں فرماتے کہ کسی کے بارے میں برائی بیان کی جائے، ہاں جو شخص مظلوم ہو، اگر وہ اپنی مظلومیت کسی کے سامنے بیان کرے، اور اس میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہ کرے، اس میں نمک مرچ نہ لگائے، اور اپنی طرف سے مبالغہ آرائی نہ کرے تاکہ دل ٹھنڈا ہو جائے، یہ غیبت کے اندر داخل نہیں، جائز ہے۔

خلاصہ

بہرحال! جتنی ضرورت کی چیزیں ہیں، جہاں آدمی کو دوسرے کی برائی بیان کرنی پڑ جاتی ہے، شریعت نے اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی، وہ حرام غیبت کی

فہرست میں داخل نہیں، لیکن عام طور پر ہماری مجلسوں میں جو غیبت ہو رہی ہے، وہ ان میں سے کسی میں بھی داخل نہیں، محض مجلس آرائی کے لئے، اور گپ شپ لگانے کے لئے، محض وقت گزاری کے لئے دوسروں کی برائیاں بیان ہو رہی ہیں، یہ حرام ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر فرمایا ہے، اور جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا سے بدتر جرم قرار دیا ہے، آج ہماری مجلسیں اس غیبت سے بھری ہوئی ہیں، اور اسی کی وجہ سے ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مورد بن رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ہمیں اس سنگین گناہ سے نجات عطا فرمادے، اور اس کی برائی ہمارے دلوں میں پیوست کر دے، اور ہمارے معاشرے کو اس گناہ سے پاک کر دے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

غیبت کے مختلف انداز

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

غیبت کے مختلف انداز

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا، اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ، وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ○ (سورۃ الحجرات: ۱۲)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، و صدق رسولہ النبی الکریم، و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین، والحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

تمہید

گذشتہ چند جمعوں سے اس آیت کا بیان چل رہا ہے، جو آیت میں نے ابھی

آپ کے سامنے تلاوت کی، اس آیت کریمہ میں اللہ جل شانہ نے تین بڑے گناہوں سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے، پہلا گناہ ہے ''بدگمانی'' یعنی کسی شخص کے بارے میں تحقیق کے بغیر برائی کا گمان کرلینا، اور دل میں اس کو جما کر بیٹھ جانا، اس کو ''بدگمانی'' کہتے ہیں، اور دوسرا گناہ ہے ''تجسس'' یعنی دوسرے کی عیب جوئی کرنا، اور اس کی جستجو کرنا کہ یہ کیا کرتا ہے، کیا گناہ کرتا ہے، اور اس تجسس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر مجھ کو اس کی کوئی برائی معلوم ہو جائے تو میں اس کو بدنام کردوں، یہ تجسس بھی ناجائز اور اور حرام ہے، تیسرا گناہ یہ بیان فرمایا کہ ایک دوسرے کی غیبت نہ کیا کرو۔ ان تینوں گناہوں کی تشریح پچھلے بیانات میں عرض کی تھی، اور آخر میں غیبت کا بیان تھا کہ غیبت کے معنی یہ ہیں کہ کسی شخص کا تذکرہ اس کی غیر موجودگی میں اس طرح کرنا کہ اس کو ناگوار ہو، اگر اس کو پتہ چل جائے کہ میرے بارے میں یہ بات کہی گئی تھی تو اس کو برا لگے، اس کو تکلیف ہو، صدمہ ہو، ایسی بات کہنے کو غیبت کہتے ہیں۔

عمل سے برائی کا اظہار بھی غیبت ہے

اور اس غیبت میں جس طرح زبان سے کوئی بات کہنا داخل ہے، اسی طرح اپنے کسی عمل سے کسی کی برائی ظاہر کرنا بھی غیبت میں داخل ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کسی خاتون کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا، جو پستہ قد تھیں، چھوٹا قد تھا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسے انداز سے کیا جس سے اس خاتون کی تحقیر سمجھ میں آتی تھی کہ وہ خاتون ٹھگنی ہیں، پستہ قد ہیں، اور نقل اتار کر اس کی طرف اشارہ کیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ! یہ تم نے جو عمل کیا، یہ اتنا بدبودار عمل ہے کہ اس کی بدبو سے

فرشتے بھاگ گئے ہیں۔ حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے زبان سے کوئی کلمہ نہیں کہا تھا جو ناگواری کا سبب ہوتا، لیکن ان کا تذکرہ عملی طور پر نقل اتارتے ہوئے اس طرح کیا جس سے ان کی تحقیر اور اہانت ہوتی تھی، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بھی غیبت کے اندر داخل ہے۔

کسی کی نقل اتارنا

اس سے پتہ چلا کہ کسی کی نقل اس کی غیر موجودگی میں اس انداز سے اتارنا کہ جس سے لوگ ہنسیں اور اس کے بارے میں کوئی برا تأثر لیں، اور جب سامنے والے کو پتہ چلے کہ میری اس طرح نقل اتاری گئی تھی تو اس سے اس کو تکلیف ہو، یہ بھی غیبت میں داخل ہے، اور اگر نقل اتارنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ اس سے اس کا مذاق اڑایا جائے، اس کی تذلیل کی جائے تو پھر دوہرا گناہ ہے، ایک غیبت کرنے کا گناہ، دوسرے مذاق اڑانے کا گناہ، چنانچہ پچھلی آیت میں یہ بیان ہوا تھا کہ کوئی مؤمن کسی مؤمن کا مذاق نہ اڑائے، کوئی عورت کسی عورت کا مذاق نہ اڑائے۔

دوسرے کا مذاق اڑانا

ہم ذرا اپنے چاروں طرف نظریں دوڑا کر دیکھیں، یہ نظر آئے گا کہ ہمارے مجلسوں میں یہ سب کام ہوتے ہیں، ہماری مجلسوں میں دوسروں کا مذاق بھی اڑایا جاتا ہے، ان کا استہزاء بھی کیا جاتا ہے، اور اس کے ذریعہ مجلسیں گرم کی جاتی ہیں، اس سے مزے لئے جاتے ہیں، کوئی شخص یہ کہے کہ آپ نے اس پر پابندی لگا کر ہماری مجلسوں کا لطف اور مزہ ہی ختم کر رہے ہیں، کیونکہ اگر مجلسوں سے یہ چیزیں ختم کردی جائیں تو سارا مزہ ہی ختم ہو جائے گا۔ تو میرے بھائیو! ذرا یہ سوچو کہ آپ کو تو اس کا مذاق اڑانے

میں مزہ آرہا ہے، لیکن جس شخص کا مذاق اڑایا جارہا ہے، اس کے دل سے پوچھو کہ اس پر کیا گزرے گی، اور یہ سوچو کہ اگر میرے ساتھ یہ معاملہ ہوتا......! اور میرا اس طرح مذاق اڑایا جاتا......! میرے اس طرح تذلیل کی جاتی تو میرے دل پر کیا گزرتی؟ اگر تم اس مذاق کو اپنے لئے پسند نہیں کرتے تو دوسروں کے لئے کیوں پسند کرتے ہو، ارے مؤمن کا معاملہ تو وہ ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیا کہ "اَحِبَّ لِغَیْرِکَ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِکَ، اِکْرَہْ لِغَیْرِکَ مَاتَکْرَہُ لِنَفْسِکَ" یعنی دوسرے کے لئے وہی بات پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو، اور دوسرے کے لئے وہی بات ناپسند کرو جو تم اپنے لئے ناپسند کرتے ہو۔ جب کسی کے ساتھ کوئی معاملہ کرنے کی نوبت آجائے تو اپنے آپ کو اس کی جگہ کھڑا کر کے دیکھ لو کہ اگر میں اس کی جگہ ہوتا، اور میرے ساتھ یہ معاملہ کیا جاتا تو آیا مجھے پسند ہوتا یا ناپسند ہوتا، اس سے مجھے صدمہ ہوتا، یا خوشی ہوتی، اگر تمہیں ناپسند ہوتا، اور صدمہ ہوتا تو پھر وہ کام دوسرے کے لئے نہ کرو۔ یہ نہ ہو کہ آپ نے دو پیمانے بنالئے ہوں، ایک اپنے لئے، اور ایک دوسروں کے لئے، اپنے لئے اور پیمانہ، دوسروں کے لئے اور پیمانہ، اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ جو پیمانہ اپنے لئے اختیار کیا ہے، وہی پیمانہ دوسروں کے لئے ہونا چاہئے۔

یہ سب غیبت میں داخل ہے

لہٰذا جس طرح زبان سے غیبت کرنا، کسی کی برائی ایسے انداز سے بیان کرنا جس سے اس کو ناگوار ہو، حرام ہے، اسی طرح کسی بھی ایسے عمل سے اس کی برائی بیان کرنا جس سے اس کی تحقیر اور تذلیل ہو، یا نقل اتارنا، اور اشاروں میں اس کی تحقیر کی جائے، یہ سب غیبت میں داخل ہے، اور حرام ہے، اور اتنا شدید حرام ہے کہ قرآن کریم نے اس کے بارے میں فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرے گا کہ

اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، ایک تو انسان کا گوشت، اور انسان بھی مردہ، اور مردہ بھی اپنا بھائی، جس طرح اس کا گوشت کھانا جتنا گھناؤنا کام ہے، کسی کی غیبت کرنا بھی اتنا ہی گھناؤنا کام ہے، اور یہ غیبت کا گناہ ہمارے معاشرے میں اس طرح سرایت کرگیا ہے کہ اس کو شیر مادر سمجھ لیا گیا ہے، شاید ہی کوئی مجلس اس سے خالی ہوتی ہو، جس میں کسی کی غیبت نہ ہوتی ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں اس گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اس کی سنگینی کا احساس ہمارے دلوں میں پیدا فرمائے، آمین

دلوں میں اللہ کا خوف پیدا کرو

اللہ تعالیٰ نے اگلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ واتقوا اللّٰہ، اللہ سے ڈرو، یہ لفظ قرآن کریم میں جا بجا آیا ہے کہ اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، اور قرآن کریم کا اسلوب یہ ہے کہ جب وہ کوئی حکم دیتا ہے، یا قانون بیان کرتا ہے تو اس کے ساتھ اتقوا اللّٰہ کے الفاظ ضرور ہوتے ہیں، اس کے اندر ہمارے اور آپ کے لئے ایک عظیم سبق ہے، یہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے، وہ یہ کہ دنیا کا کوئی بھی قانون ہو، کوئی بھی حکم ہو، اس کو بجا لانے کے لئے اور اس کو نافذ کرنے کے لئے آپ جتنی چاہے پولیس لگادیں، محکمے اور عدالتیں قائم کردیں، لیکن قانون کی پابندی کروانے کا اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کردیا جائے، اگر پولیس موجود ہے تو وہ پولیس دن کی روشنی میں اور آبادی کے اندر آپ کو ظلم سے باز رکھ سکتی ہے، لیکن رات کی تاریکی میں، اور جنگل کی تنہائی میں، یا کسی ایسی جگہ پر جہاں آپ کو کوئی دیکھ نہ رہا ہو، جہاں آپ کو پولیس کا خوف نہ ہو، وہاں آدمی قانون بھی توڑ دے گا، اور حکم کی خلاف ورزی بھی کرے گا، لیکن اگر دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہو، اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا دل میں احساس ہو، تو پھر چاہے رات کی تاریکی ہو، یا جنگل کی تنہائی ہو، وہ

تقوی جو اس کے دل میں ہے، وہ اس کا ہاتھ پکڑے گا، اور وہ اس پر پہرہ بٹھائے گا کہ یہ کام ناجائز ہے، یہ کام حرام ہے، اس کام کو کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں گے، جب اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری ہوگی تو میں کیا جواب دوں گا، وہاں مجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا سامنا ہوگا، میں وہ عذاب کیسے برداشت کروں گا۔ یہ احساس دل میں پیدا ہو جائے تو سارے احکام پر ٹھیک عمل ہو جائے۔

قانون کی پابندی کا واحد راستہ ''خوف خدا''

اس لئے جب قرآن کریم کوئی حکم دیتا ہے، یا کوئی قانون بتاتا ہے تو اس کے فوراً بعد یہ الفاظ لاتا ہے کہ "وَاتَّقُوا اللّٰہَ" اللہ سے ڈرو، کیونکہ قانون اور حکم کی پابندی کروانے کا واحد راستہ یہ ہے کہ انسانوں کے دلوں میں تقوی پیدا کیا جائے، سارا قرآن تقوی کے حکم سے بھرا ہوا ہے۔ بعض لوگ جو ناآشناس ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں بار بار اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ڈرو، مجھ سے ڈرو، تو اللہ تعالیٰ اپنے آپ سے کیوں اتنا ڈراتے ہیں؟...... بات دراصل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ سے کوئی نہ ڈرے تو اس کی عظمت شان میں، اس کے جلال میں، اس کی کبریائی میں کوئی کمی نہیں آتی ہے، اگر ساری دنیا تقوی اختیار کرلے تو اس کی عظمت شان میں ذرہ برابر اضافہ نہیں ہوتا، وہ جیسا عظیم تھا، وہ اب بھی ہے، وہ بے نیاز ہے، اور اگر ساری دنیا نافرمان ہو جائے، ساری دنیا اگر غافل ہو جائے، اس کی یاد چھوڑ دے، تب بھی اس کی عظمت وجلال میں اس کی کبریائی میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوتی۔

تقوی کا کانٹا دل میں لگاؤ

- لہٰذا اللہ تعالیٰ یہ جو بار بار فرمارہے ہیں کہ اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، اس

سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جس دن تقوی کا یہ کانٹا تمہارے دل میں لگ گیا، اس دن سے تمہاری زندگی درست ہو جائے گی، اس دن تمہارا طرز عمل درست ہو جائے گا، اگر تمہارے دل میں جرائم کے اور گناہ کے خیالات ہیں، ظالمانہ خیالات ہیں، در حقیقت وہ سب تقوی نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں، لہٰذا اپنے اندر تقوی پیدا کرو۔ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ غیبت سے کیسے بچیں؟ ہر مجلس میں غیبت ہو رہی ہے، اور ہر مجلس میں کسی نہ کسی کا ذکر آ ہی جاتا ہے، اور اس کی برائی کا بیان شروع ہو جاتا ہے۔ دیکھئے! شیطان کا حربہ یہ ہے کہ دوسرے کا ذکر آیا تو شروع میں ان کی اچھائی کا بیان کروائے گا کہ فلاں بڑا اچھا آدمی ہے، وہ ایسا کرتا ہے، پھر "لیکن" کہہ کر شیطان بات کا رخ موڑ دے گا کہ لیکن اس میں یہ خرابی ہے، اور یہ عیب ہے، اس طرح برائی کا ذکر شروع کروا دے گا۔

ہمارا ہر لفظ ریکارڈ ہو رہا ہے

اس لئے یہ کہا جا رہا ہے کہ اپنے دل میں تقوی پیدا کرو، جس دن تمہارے دلوں میں تقوی پیدا ہو گیا، اس دن سے تم گناہ سے بچ جاؤ گے۔ یہ سوچو جو کلمہ تمہاری زبان سے نکل رہا ہے، ایک ایک کلمے کا حساب ہوگا کہ کیا لفظ تم نے زبان سے نکالا تھا، اس کا حساب ہوگا، جس دن یہ احساس پیدا ہو گیا، بس اسی دن زبان پر زنجیر پڑ جائے گی، اور زبان میں احتیاط پیدا ہو جائے گی، اور پھر بے احتیاطی کا کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکلے گا، اور پھر زبان سے جو کلمہ نکلے گا وہ احتیاط کے ترازو میں میں تلا ہوا ہوگا، اللہ جل شانہ نے چودہ سو سال پہلے فرما دیا تھا کہ "مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ" (سورۃ ق: آیت ۱۸) یعنی انسان جو لفظ بھی زبان سے نکالتا ہے، اس کی نگرانی ہو رہی ہے، اس کا حساب قیامت کے روز دینا ہوگا، اور یہ بھی کہہ دیا کہ

قیامت کے روز عدالت قائم ہوگی، اور اس عدالت میں یہ بتایا جائے گا کہ اس شخص نے کیا بات کس وقت کہی تھی۔

پھر غیبت نہیں ہوگی

لیکن آج ہمیں چونکہ اس بات کا احساس نہیں ہے کہ ہماری ہر بات ریکارڈ ہو رہی ہے، اس وجہ سے ہماری زبان بے لگام ہے، جو منہ میں آتا ہے ہم بغیر سوچے سمجھے کہہ دیتے ہیں، اس لئے قرآن کریم کہتا ہے کہ "واتقوا اللّٰہ" اللہ سے ڈرو، یعنی اپنے دل میں یہ احساس پیدا کرو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہمیں اپنے ایک ایک لفظ کا جواب دینا ہے، جس دن یہ احساس پیدا ہو جائے گا، پھر کوئی غیبت زبان سے نہیں نکلے گی، کوئی جھوٹ زبان سے نہیں نکلے گا، کوئی بدگمانی نہیں ہوگی، کوئی تجسس نہیں ہوگا۔

سابقہ زندگی سے توبہ کرلیں

لیکن سوال یہ ہے کہ چلیں اب تو اپنے دل میں تقوی پیدا کرلیں، اور اپنے آپ کو ٹھیک کرلیں، لیکن پچھلی زندگی جو غفلت میں اور گناہوں میں گزری ہے، اس میں نہ جانے کیا کیا گناہ کرتے رہے، اس کے لئے اگلا جملہ ارشاد فرمایا کہ: اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ. یاد رکھو! اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے، بڑا مہربان ہے۔ یعنی تمہاری پچھلی زندگی جو گزر چکی ہے، اس کی طرف سے توبہ کرلو، اور اللہ تعالیٰ سے صدق دل سے توبہ کرلو، اور جن گناہوں کی تلافی کرنا ممکن ہے، ان کی تلافی کرلو، اللہ تعالیٰ رحم فرمادیں گے، اور پچھلے گناہ معاف فرمادیں گے، لیکن آئندہ کے لئے اپنے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرو، انشاء اللہ اس کے نتیجے میں زندگی درست ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

قومیت کے بت توڑ دو

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب:	جامع مسجد بیت المکرم
	گلشن اقبال کراچی
وقت خطاب:	قبل نماز جمعہ
اصلاحی خطبات:	جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قومیت کے بت توڑ دو

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○

(سورۃ الحجرات : ۱۳)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، و صدق رسولہ النبی الکریم، و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین، والحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

تمہید

بزرگان محترم اور برادران عزیز! ایک عرصہ سے سورۃ الحجرات کی تفسیر کا

بیان چل رہا ہے، اور جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ اس مبارک سورت میں اللہ جل شانہ نے ہمیں اور آپ کو ایسی ہدایات عطا فرمائی ہیں، اور ایسے اصول بیان فرمائے ہیں جو ہماری دنیا و آخرت کو سنوارنے کا ذریعہ ہیں، خاص طور پر مسلمانوں کے درمیان آپس میں جو لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں، جن سے فتنہ اور فساد پھیلتا ہے، اور معاشرے میں بگاڑ آتا ہے، ان کے بنیادی اسباب کو اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں بیان فرما کر ان اسباب کے دروازے بند کئے ہیں، چنانچہ پچھلے جمعوں میں جن اسباب کا بیان ہوا، وہ احکام یہ تھے کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کا مذاق نہ اڑائے، کوئی مسلمان دوسرے کا برا نام تجویز نہ کرے جو اس کو ناپسند ہو، کوئی مسلمان دوسرے کا تجسس نہ کرے، اور کوئی مسلمان دوسرے کی عیب جوئی نہ کرے، کوئی شخص دوسرے کی غیبت نہ کرے، یہ سارے احکام پچھلے جمعوں میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بیان ہو چکے ہیں۔

تمام انسان ایک باپ کی اولاد ہیں

آج جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، یہ بھی سورت الحجرات کی آیت ہے، اور غیبت کی حرمت کے بیان کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ بیان فرمائی ہے، اس آیت کا پہلے ترجمہ سمجھ لیں، اس کے بعد اس کی تھوڑی سی تشریح عرض کردوں گا، اس آیت میں بھی بہت اہم اور بنیادی اصول ہے جو اسلام کو دوسرے ادیان اور مذاہب سے ممتاز کرتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ اس اصول پر عمل کرنے کی توفیق دیدے تو بہت سے لڑائی جھگڑے اور بہت سے فتنے اس کی وجہ سے ختم ہو جائیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے لوگو! اس میں صرف مسلمانوں سے خطاب نہیں، بلکہ پوری انسانیت سے خطاب ہے کہ اے لوگو! اے

انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، ایک مرد یعنی حضرت آدم علیہ السلام، اور ایک عورت یعنی حضرت حوا علیہا السلام، جتنے انسان اس روئے زمین پر پائے جاتے ہیں، وہ سب انہی کے بیٹے ہیں۔ اور اس کے بعد ہم نے تمہاری مختلف قومیتیں بنادیں، اور تمہارے مختلف خاندان اور قبیلے بنادیے، یعنی تم سب ویسے تو ایک باپ اور ایک ماں کی اولاد ہو، لیکن آگے چل کر مختلف قومیتیں بن گئی ہیں، کوئی عرب ہے، کوئی عجم ہے، کوئی مشرقی ہے، کوئی مغربی ہے، کوئی افریقی ہے، کوئی امریکی ہے، اور مختلف برادریاں بنادی ہیں، مختلف خاندان اور قبیلے بنادیے ہیں، اور یہ جو ہم نے تمہیں مختلف قوموں اور خاندانوں میں تقسیم کیا ہے، اس کی صرف ایک وجہ ہے، وہ یہ کہ تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، لہٰذا صرف شناخت اور پہچان کی خاطر مختلف قوموں اور خاندانوں میں تقسیم کیا ہے۔

خاندان صرف پہچان کے لئے ہیں

کیسے پہچان سکو؟ مثلاً ایک شخص کا نام عبداللہ ہے، دوسرے شخص کا نام بھی عبداللہ ہے، تیسرے شخص کا نام بھی عبداللہ ہے، اب تینوں میں کس طرح فرق کریں، اور کیسے پہچانیں کہ اس سے مراد کون سا عبداللہ ہے؟ لہٰذا یہ کہہ دیا کہ یہ عبداللہ وہ ہے جو فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہے، دوسرا عبداللہ فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہے، فلاں قومیت سے تعلق رکھتا ہے، یہ پہچان کروانے کے لئے ہم نے مختلف قبیلے اور مختلف قومیتیں بنائی ہیں۔ لیکن یہ مت سمجھنا کوئی کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے پر فوقیت رکھتا ہے، بلکہ سب قبیلے برابر ہیں، البتہ "ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم" اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ باعزت وہ ہے جس میں تقویٰ زیادہ ہو، خواہ وہ کسی بھی خاندان سے تعلق رکھتا ہو، کسی بھی قبیلے کا فرد ہو، کسی بھی قومیت سے تعلق

رکھتا ہو، جس کے اندر تقویٰ زیادہ ہوگا وہ اللہ کے نزدیک زیادہ باعزت ہے۔

کسی قوم کو دوسری قوم پر فوقیت نہیں

اس میں دو اہم باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، ایک یہ کہ کوئی بھی شخص اپنے خاندان اپنے قبیلے اپنی قومیت کی وجہ سے دوسروں پر اپنی بالادستی نہ جتائے اور یہ نہ سمجھے کہ میں تو اعلیٰ درجے کے خاندان کا فرد ہوں، دوسرا شخص ادنیٰ درجہ کے خاندان کا فرد ہے، لہٰذا میں باعزت ہوں، دوسرا عزت والا نہیں، بلکہ ذلیل ہے، اور حقیر ہے، ایسا نہیں، اس لئے کہ ہم نے یہ مختلف خاندان صرف اس لئے بنائے ہیں، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، پہچاننے کے لئے ایک نسبت مقرر ہو جاتی ہے کہ فلاں شخص ہندوستانی ہے، فلاں شخص پاکستانی ہے، فلاں شخص سندھی ہے، فلاں شخص پنجابی ہے، فلاں شخص پٹھان ہے، یہ ساری قومیتیں صرف پہچان کے لئے علامتیں مقرر کی ہیں، لیکن فضیلت اور بڑائی کسی کے لئے محض اس کے خاندان کی وجہ سے نہیں ہے، اگر کسی کو دوسرے پر فضیلت ہے تو وہ تقویٰ کی وجہ سے ہے۔

خاندان کی بنیاد پر بڑائی نہیں آسکتی

اس کے ذریعہ قرآن کریم نے ایک بہت بڑے فتنے کا سدباب کر دیا، وہ یہ کہ یہ جو بعض لوگوں کے دلوں میں نخوت اور تکبر پیدا ہو جاتا ہے کہ ہم بڑے ہیں، اس لئے کہ ہم بڑے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، اور فلاں گھٹیا درجے کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے، یہ اپنی بڑائی اور دوسرے کی حقارت بکثرت لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جاتی ہے، قرآن کریم نے فرمایا کہ بڑائی کا یہ احساس جو خاندان کی بنیاد پر ہوتا ہے، قومیتوں کی بنیاد پر ہوتا ہے، یہ ہمارے دین کے اصول کے بالکل خلاف ہے۔

عرب قوم کی نخوت اور تکبر

دیکھئے! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو عربوں میں مبعوث فرمایا، اور آپ کے براہ راست مخاطب عرب لوگ تھے، اور عرب وہ قوم ہے جو زمانہ جاہلیت سے یہ سمجھتی چلی آرہی ہے کہ ساری دنیا میں سب سے زیادہ فضیلت ہماری قوم کو حاصل ہے، اگر کوئی عرب ہے تو ہمارا بھائی ہے، اور اس کی فضیلت بھی ہے، اس کا اعلیٰ درجہ بھی ہے، اور دوسرے لوگ اس کے مقابلے میں کم حیثیت اور کم رتبے والے ہیں، یہاں تک کہ عرب لوگ دوسری قوموں کو ''عجمی'' کہتے ہیں، عجمی کا مطلب یہ ہے جو عربی نہیں، اور عجمی کے لفظی معنی ہیں ''گونگا'' گویا کہ عرب لوگ اپنے علاوہ دنیا کے سارے لوگوں کو گونگا کہتے تھے، یعنی ہم بولنے والے ہیں، ہماری زبان اعلیٰ درجے کی ہے، اور ساری دنیا ہمارے مقابلے میں گونگی ہے، عربوں میں یہ تصور تھا اگر کوئی عربی زبان میں بولے تو اس کے بارے میں کہتے کہ یہ بول رہا ہے، اور اگر کوئی شخص غیر عربی زبان میں مثلاً فارسی میں یا ترکی میں بولے تو اس کو کہتے کہ یہ شخص بڑبڑا رہا ہے، گویا کہ اس کے بولنے کو بولنا بھی نہیں کہتے تھے، اس حد تک ان کے دلوں میں اپنی عربی قومیت کی ایک نخوت تھی، ایک تکبر تھا، ایک بڑائی تھی، جو ان کے پورے معاشرے میں سرایت کیے ہوئے تھی کہ جو عرب ہیں وہ باعزت ہیں، اور جو غیر عرب ہیں وہ کم حیثیت والے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نخوت کو ختم کیا

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے

آپ کو عربوں میں مبعوث فرمایا، لیکن آپ نے اپنے قول سے بھی اور عمل سے بھی اس نخوت کو مٹایا، اور اس طرح مٹایا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حبشہ کے رہنے والے تھے، سیاہ فام تھے، سر سے لے کر پاؤں تک پورا جسم سیاہ تھا، حبشی کہلاتے تھے، اور آزاد بھی نہیں تھے، بلکہ امیہ بن خلف کے غلام تھے، لیکن جب یہ کلمہ پڑھ لیا "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ" تو اسی سیاہ فام حبشی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گلے لگایا، اور ان کو اپنے ہی خاندان کے لوگوں پر یعنی ابو جہل اور ابو لہب پر فوقیت اور فضیلت عطا فرمائی، اور اس درجہ عطا فرمائی کہ ہر جگہ اور ہر وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمرکابی کا شرف عطا فرمایا، اور کائنات میں نماز کے لئے اذان دینے کا سب سے پہلا اعزاز حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا۔

حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام

جب مکہ مکرمہ فتح ہوا، تو سارے عرب کے بڑے بڑے درجے والے اپنے خاندان کے لوگ موجود تھے، لیکن آپ نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منتخب فرماتے ہوئے ان سے فرمایا کہ اے بلالؓ! جاؤ، کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دو۔ اس طرح کعبہ کی چھت پر سب سے پہلے اذان حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دی۔ جب کعبہ میں داخل ہونے کا وقت آیا تو اس وقت قبیلے کے بڑے بڑے لوگ موجود تھے، جو مسلمان بھی تھے، صحابی بھی تھے، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے اندر اپنے ساتھ حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لے کر تشریف لے گئے۔

جنت میں حضرت بلالؓ کے قدموں کی چاپ

ایک دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ سے بلال! یہ بتاؤ تم کون سا ایسا اچھا عمل کرتے ہو کہ جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں اتنا اونچا درجہ دیدیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے معراج کے موقع پر جنت کی سیر کرائی تو میں نے تمہارے قدموں کی آہٹ اپنے سے آگے سنی، تمہارا ایسا کون سا عمل ہے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ مقام عطا فرمایا، جس کے معنی یہ ہیں کہ جنت میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پائلٹ بننے کی سعادت نصیب فرمائی کہ وہ آپ کے آگے آگے چل رہے ہیں۔ اس پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی اور عمل تو نہیں ہے، البتہ میں یہ ضرور کرتا ہوں کہ جب کبھی وضو کرتا ہوں تو اس سے تحیۃ الوضو کی دو رکعت ضرور ادا کرتا ہوں۔ بہر حال! اللہ تعالیٰ نے ان سیاہ فام حبشی کو یہ مقام عطا فرمایا، حالانکہ عرب نہیں تھے، اور سارے عرب کے لوگ ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ اعزاز عطا فرمایا۔

سلمانؓ میرے گھر کا ایک فرد ہے

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو ایران کے رہنے والے تھے، اور کہاں کہاں کا سفر کر کے کس طرح مدینہ پہنچے، کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی دولت عطا فرمائی۔ جب اسلام لے آئے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اختیار کر لی، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا:

سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَیْتِ

یعنی سلمان میرے گھر والوں میں سے ہیں، میرے گھر کا ایک فرد ہیں، آج حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار عراق میں موجود ہے، میری وہاں حاضری ہوئی، وہاں پر یہ حدیث لکھی ہوئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَیْتِ

امیر لشکر حضرت سلمانؓ کا خطاب

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جب ایران پر حملہ ہو رہا تھا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لشکر کا امیر بنایا ہوا تھا، سارے بڑے بڑے عرب آپ کے زیر قیادت تھے، جب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایران کے بادشاہ اور امراء سے خطاب کیا تو کہا کہ دیکھو! میں ایران کا رہنے والا ہوں، لیکن بڑے بڑے اہل عرب میری اطاعت کر رہے ہیں، یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہ دین عطا فرمایا جس میں کالے اور گورے کا کوئی فرق نہیں، جس میں عرب اور عجم کا کوئی فرق نہیں۔

حضور اقدس ﷺ کا آخری پیغام

حجۃ الوداع کے موقع پر آخری بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی موجودگی میں جو خطاب فرمایا، جس کو خطبہ حجۃ الوداع کہا جاتا ہے، اس میں آپ نے وہ بنیادی اصول بیان فرمائے ہیں جن پر ہمارا دین قائم ہے، اور اس میں ان تمام فتنوں کی نشان دہی کی ہے، جن کی بناء پر مسلمان کسی وقت مصیبت میں واقع ہو سکتے ہیں، ان میں بہت

ساری عظیم نصیحتیں فرمائی ہیں، چنانچہ فرمایا کہ مجھے تم پر اس بات کا خوف نہیں کہ تم میرے بعد بت پرستی میں مبتلا ہو جاؤ گے، لیکن مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں شیطان تمہیں گمراہ کر کے دنیا کی محبت تمہارے دلوں میں پیدا نہ کر دے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے درمیان فتنے پیدا کر دے، تم ایک دوسرے کے گلے کاٹتے پھرو، پھر فرمایا کہ خوب اچھی طرح سن لو "لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ ، وَلَا لِاَبْيَضَ عَلٰى اَسْوَدَ اِلَّا بِالتَّقْوٰى" فرمایا کہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، اور کسی سفید فام کو کسی سیاہ فام پر کوئی فضیلت نہیں، اگر فضیلت ہے تو وہ تقویٰ کی وجہ سے ہے، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری پیغام ہے جو آپ نے پوری امت کو عطا فرمایا۔

یہ خناس دل سے نکال دو

بہر حال! پہلی بات جو اس آیت کریمہ میں بیان فرمائی گئی ہے وہ یہ کہ اگر کسی کے دل میں یہ خناس ہے کہ میں بہت اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا ہوں، میری قومیت دوسروں کی قومیتوں سے اعلیٰ ہے، وہ اپنے دل سے یہ خناس نکال دے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر کوئی شخص باعزت ہے تو وہ تقویٰ کی وجہ سے ہے، محض خاندانی اور نسبی تعلق کی بناء پر کسی کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں۔ اگر یہ بات اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اتار دے تو پھر دوسروں کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کرنے اور دوسروں کو کمتر سمجھنے کا جو فتنہ پیدا ہوتا ہے، وہ کبھی بھی پیدا نہ ہو۔

بڑائی جتانے کا کوئی حق نہیں

اللہ تعالیٰ نے مختصر لفظوں میں ساری حقیقت بیان فرما دی کہ ارے بھائی! کس بات پر اکڑتے ہو؟ کس بات پر اتراتے ہو؟ جتنے انسان ہیں، وہ سب ایک

مرد اور ایک عورت سے پیدا ہوئے ہیں، سب کی اصل ایک ہی ہے، یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام، لہٰذا یہ بات تم نے کہاں سے نکال لی کہ فلاں کو دوسرے پر فضیلت ہے، ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كُلُّكُمْ مِنْ آدَمَ، وَ آدَمُ مِنْ تُرَابٍ

یعنی تم سب آدم کے بیٹے ہو، اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس وجہ سے کسی کو دوسرے پر اپنی فضیلت جتانے اور اپنی بڑائی جتانے کا کوئی حق نہیں۔

برادریوں کا تصور آج بھی

قدیم زمانے میں تو یہ بات بہت زیادہ پائی جاتی تھی، لیکن اب بھی ہمارے معاشرے میں برادریوں کا تصور موجود ہے کہ یہ ہماری برادری کا آدمی ہے، اور ہماری برادری اعلیٰ ہے، اور دوسرے کی برادری ادنیٰ ہے، اور کمتر ہے، یہ تصورات آج بھی ہمارے معاشرے میں پھیلے ہوئے ہیں، اور ان کی بنیاد پر رویوں میں تبدیلی آتی ہے، یعنی دوسروں کے ساتھ اس بنیاد پر رویوں میں تبدیلی آجاتی ہے کہ یہ ہماری برادری کا آدمی نہیں ہے، یہ ہماری قومیت کا آدمی نہیں ہے، اس وجہ سے اس کے ساتھ ہمارا برتاؤ بھی مختلف ہوتا ہے، یہ رویہ قرآن کریم کے بھی خلاف ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے بھی خلاف ہے، اور آپ کے عمل کے بھی خلاف ہے۔ آپ اندازہ لگائیں کہ ابولہب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ہے، لیکن اس کے بارے میں قرآن کریم کی صورت نازل ہو رہی ہے، اور اس کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ "تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّ تَبَّ" کہ ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں، وہ ہلاک ہو جائے، دوسری طرف حضرت بلال حبشی اور حضرت صہیب رومی

رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گلے لگایا جارہا ہے، اور حضرت سلمان فارسی کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ یہ ہمارے خاندان کے ایک فرد ہیں۔ ایک نکتہ تو اس آیت کریمہ نے یہ بتایا۔

اتحاد کی بنیاد کیا ہونی چاہئے؟

اس آیت نے دوسرا نکتہ یہ بتایا کہ مسلمانوں کو ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ آپس کا اتحاد اور گروہ بندی قبیلوں اور خاندانوں اور برادریوں کی بنیاد پر قائم کریں، بلکہ اگر اتحاد قائم ہوگا تو وہ تقویٰ کی بنیاد پر قائم ہوگا۔ یہ بھی ایک عظیم فتنہ ہے جو زمانہ جاہلیت سے چلا آرہا ہے، اور آج تک ہماری جڑوں میں موجود ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے نجات عطا فرمائے، آمین۔ وہ یہ کہ ہمارے دلوں میں یہ تصور ہے کہ جو شخص میرے قبیلے کا ہے، جو شخص میری برادری کا ہے، جو میری زبان بولتا ہے، جو میرا ہم وطن ہے، وہ تو میرا ہے، اور جو شخص دوسری زبان بولتا ہے، دوسرے وطن کا باشندہ ہے، دوسرے خاندان سے تعلق رکھتا ہے، وہ غیر ہے، اور اس تصور کی بنیاد پر وحدتیں قائم ہوتی ہیں، اور اس تصور کی بنیاد پر پارٹی بندی ہوتی ہے، اس تصور بنیاد پر گروہ بندیاں ہوتی ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس کو میں اپنا سمجھتا ہوں، اپنے خاندان کا اور اپنے قبیلے کا اور اپنی قوم کا سمجھتا ہوں، اس کا مجھے ہر قیمت پر ساتھ دینا ہے، چاہے وہ حق کہہ رہا ہو، یا ناحق کہہ رہا ہو، اور جو میرے قبیلے کا نہیں ہے، میرے وطن کا نہیں ہے، مجھے اس کی مخالفت کرنی ہے، اگر میرے وطن کے آدمی میں اور دوسرے آدمی میں جھگڑا ہو جائے تو میں ہمیشہ اپنے وطن والے کا ساتھ دوں گا، جو میری زبان بولنے والا ہے، اور جو میری برادری سے تعلق رکھتا ہے، اس کا ساتھ دوں گا، اور دوسرے کی مخالفت کروں گا۔ زمانہ جاہلیت سے یہ تصور چلا آرہا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں معاہدہ

بلکہ زمانہ جاہلیت میں یہ ہوتا تھا کہ مختلف برادریوں میں آپس میں معاہدے ہو جاتے تھے کہ ہم ہر قیمت پر ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے، اب اگر برادری کے آدمی کا، یا جس سے ہمارا معاہدہ ہوا ہے، اس کا کسی دوسرے آدمی سے جھگڑا ہو گیا تو اب اس معاہدے کی بنیاد پر ہم پر لازم ہے کہ ہم اس کا ساتھ دیں، چاہے وہ حق پر ہو، یا ناحق ہو، ظالم ہو، یا مظلوم ہو، ہر حال میں اس کا ساتھ دینا ہے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے یہ عظیم انقلابی اعلان فرمایا کہ "لَا حِلْفَ فِی الْاِسْلَامِ" کہ اسلام میں اس قسم کا معاہدہ نہیں ہو سکتا کہ میں ہر حال میں تمہارا ساتھ دوں گا۔

اپنے بھائی کی مدد کرو، لیکن کس طرح؟

زمانہ جاہلیت میں ایک مقولہ مشہور تھا، اور وہ ایک اخلاقی اصول سمجھا جاتا تھا وہ یہ کہ "اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا" یعنی اپنے بھائی کی مدد کرو، چاہے وہ ظالم ہو، چاہے وہ مظلوم ہو، بھائی سے مراد وہ ہے جو تمہارے قبیلے کا آدمی ہو، تمہاری قومیت سے تعلق رکھتا ہو، اس کی مدد کرو، اس کا ساتھ دو، چاہے وہ ظالم ہو، یا مظلوم ہو، جاہلیت میں یہ مقولہ مشہور تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جائیے، جب آپ تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کہ یہ مقولہ ٹھیک ہے، میں اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ بھائی کی مدد کرو، چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو، لیکن مدد کرنے کا طریقہ مختلف ہے، صحابہ کرام نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! ظالم کی کس طرح مدد کریں؟ آپ نے فرمایا کہ ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکو، اور ظلم سے اس کا ہاتھ پکڑ لو کہ

میں تمہیں ظلم نہیں کرنے دوں گا، لہٰذا اگر تمہارا بھائی، تمہارے قبیلے کا یا تمہارے وطن کا آدمی اور تمہاری قومیت کا آدمی ظلم کر رہا ہے تو بھی اس کی مدد اس طرح نہ کرو کہ تم بھی اس کے ساتھ مل کر ظلم کرنا شروع کردو، بلکہ اس کی مدد کا طریقہ یہ ہے کہ اس ظالم کا ہاتھ پکڑلو کہ میں تمہیں ظلم نہیں کرنے دوں گا۔ بہرحال! آپ نے بھی یہی فرمایا کہ "اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا" لیکن اس کی تشریح بدل دی کہ اپنے بھائی کی اس طرح مدد کرو کہ ظالم کا ہاتھ پکڑلو۔

عظیم انقلاب برپا کردیا

بہرحال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لاکر ایک عظیم انقلاب برپا کردیا، عرب میں اس بات کا تصور نہیں ہوسکتا تھا کہ کوئی شخص اپنے قبیلے کے آدمی کے خلاف دوسرے قبیلے کے آدمی کی مدد کرے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ انقلاب برپا کیا، اور عملاً پورے جزیرہ عرب میں یہ اصول پھیل گیا کہ میں اپنے قبیلے والے کا ہاتھ پکڑلوں گا، اگر وہ کسی وقت کسی پر ظلم کرنے کا ارادہ کرے گا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ہر جگہ اس اصول کی تبلیغ فرمائی۔

ظالم حکمران کیوں مسلط ہو رہے ہیں؟

آج ہمارے معاشرے میں جو فساد برپا ہے، اور ہر شخص یہ شکوہ کر رہا ہے کہ ہمارے اوپر ایسے لوگ حکمران بن کر آجاتے ہیں جو ظالم ہوتے ہیں، جو عوام کے حقوق کا خیال نہیں رکھتے، جو اخلاقی قدروں کو پامال کرتے ہیں، اور جو بے دین ہوتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ایسے حکمران ہمارے اوپر کیوں مسلط ہوتے ہیں؟ یہ اس لئے مسلط ہوتے ہیں کہ جب ان کو منتخب کرنے کا وقت آتا ہے تو

اس وقت قرآن کریم کا بتایا ہوا یہ اصول، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے یہ ارشادات سب پیچھے چلے جاتے ہیں۔ بتایئے! اگر انتخابات میں اپنی برادری کا آدمی بھی کھڑا ہوا ہے، اور دوسری برادری کا آدمی بھی کھڑا ہوا ہے، اور اپنی برادری کا آدمی اتنا اچھا نہیں ہے، جبکہ دوسری برادری کا آدمی اچھا ہے تو آپ ووٹ کس کو دیں گے؟ آج عام طرز عمل یہی ہے کہ سارے ووٹ برادریوں کی بنیاد پر دیئے جاتے ہیں، کسی برادری کے سربراہ نے جا کر بات کر لی کہ میں تمہاری برادری کا آدمی ہوں اور میں انتخابات میں کھڑا ہو رہا ہوں، لہٰذا تم میری حمایت کرنا، اب برادری کے سربراہ نے کہہ دیا کہ ہاں! ہماری پوری برادری آپ کو ووٹ دے گی۔ اب ساری برادری اس کو ووٹ دے رہی ہے، اس سے کوئی بحث نہیں کہ جس کو ہم ووٹ دے رہے ہیں وہ کیسا ہے، ظالم ہے، جابر ہے، جاہل ہے، فاسق و فاجر ہے، بددین ہے، اس سے کوئی بحث نہیں، چونکہ وہ ہماری برادری کا ہے، لہٰذا ہمارا ووٹ اسی کو جائے گا۔ یہ جاہلیت نہیں تو اور کیا ہے؟ اور اس کے نتیجے میں ہمارے اوپر ظالم و جابر حکمران مسلط ہو رہے ہیں تو کس کے کرتوت سے ہو رہے ہیں۔

حکمران تمہارے اعمال کا آئینہ

اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اِنَّمَا اَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ" جو حکمران تمہارے اوپر آتے ہیں وہ سب تمہارے اعمال کا آئینہ ہوتے ہیں، اگر تمہارے اعمال درست ہوتے، اگر تمہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا پاس ہوتا تو یہ ظالم اور جابر حکمران تم پر حاکم بن کر نہیں آسکتے تھے، لیکن تمہارے اعمال کی وجہ سے یہ حکمران تمہارے اوپر مسلط ہوئے۔

خلاصہ

بہر حال! خلاصہ یہ ہے کہ خاندان اور قبیلے کی بنیاد پر کسی کی حمایت کرنا اور اس کا ساتھ دینا جاہلیت کا طریقہ ہے، اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ جو مسلمان ہے وہ تمہارا دینی بھائی ہے، چاہے اس کا تعلق کسی بھی خاندان کسی بھی قبیلے سے ہو، اور ظالم بھائی کی مدد کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکو، تاکہ وہ دوسرے پر ظلم نہ کرنے پائے، اگر ہم لوگ ان باتوں پر عمل کرنے والے بن جائیں تو معاشرے سے بے شمار فسادات اور جھگڑے ختم ہو جائیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ

واللہ اکبر

اللّٰهُ أَكْبَرُ

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

وحدت اسلامی

کس طرح قائم ہو؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

وحدتِ اسلامی

کس طرح قائم ہو؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا، اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ، اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ○

(سورۃ الحجرات: ۱۳)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، و صدق رسولہ النبی الکریم، و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین، والحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! یہ آیت کریمہ جو ابھی میں نے آپ کے

سامنے تلاوت کی ہے، اس کا بیان پچھلے جمعہ کو شروع کیا تھا، اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، یعنی حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام سے پیدا کیا، اور ہم نے تمہیں مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں صرف اس وجہ سے تقسیم کیا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، لیکن تم میں سے سب سے زیادہ افضل اور باعزت اللہ کے نزدیک وہ ہے، جو تم میں تقوی زیادہ رکھتا ہو، یعنی محض کسی خاندان سے تعلق ہونے کی بنیاد پر، یا کسی قبیلے سے تعلق ہونے کی بناء پر کوئی آدمی عزت اور شرف نہیں پاتا، بلکہ اصل عزت اس بات سے ہے کہ کون زیادہ متقی ہے، کون اللہ سے ڈرنے والا ہے، کون اللہ کے احکام کی اطاعت کرنے والا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی زیادہ اطاعت کرنے والا ہے، وہ زیادہ باعزت ہے، اور جو اطاعت میں کمزور ہے، وہ اس کے مقابلے میں باعزت نہیں۔

یہ آیت کس موقع پر نازل ہوئی؟

یہ آیت ایک خاص موقع پر نازل ہوئی تھی، اس کا شان نزول مفسرین نے یہ بیان فرمایا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح کرلیا، اور اللہ تعالیٰ نے اس شان سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مکہ مکرمہ فتح کروایا کہ دس ہزار صحابہ کرام کا لشکر آپ کے ساتھ تھا، اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کو مکہ مکرمہ پر حملہ کرنا تھا، لیکن آپ کی خواہش یہ تھی کہ مکہ مکرمہ مقدس اور محترم جگہ ہے، اور حرم ہے، اس لئے وہاں خونریزی نہ ہو، اور وہاں پر قتل وقتال نہ ہو، اگرچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک خاص وقت میں اس بات کی اجازت دیدی تھی کہ اگر کسی وقت کافروں سے مقابلہ کرنے میں لڑائی کی اور قتل وقتال کی ضرورت پیش آئے تو اللہ تعالیٰ نے وقتی طور پر جائز قرار دیدیا تھا، لیکن آپ کی خواہش یہ تھی کہ حرم میں خونریزی نہ ہو۔

مکہ میں داخل ہوتے وقت آپ کی شان

حالانکہ مکہ مکرمہ کے لوگ وہ تھے جنہوں نے تیرہ سال تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کو انتہائی اذیتیں دیں، لیکن آپ یہ چاہتے تھے کہ مکہ مکرمہ خونریزی کے بغیر فتح ہو جائے، چنانچہ اللہ جل شانہ نے اس کے اسباب ایسے مہیا فرمائے کہ جو لوگ مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے، اس کی اکثریت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کی آمد کے وقت مسلمان ہوگئی، اور سب نے ہتھیار ڈال دیے، اور آپ مکہ مکرمہ میں فاتح بن کر داخل ہوئے، اب اگر کوئی اور فاتح ہوتا تو نہ جانے خون کی کتنی ندیاں بہہ جاتیں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں بڑی عاجزی کے ساتھ اور تواضع کے ساتھ داخل ہوئے، اور لوگوں کے لئے عام معافی کا اعلان کر دیا کہ جن لوگوں نے مجھے تکلیف پہنچائی تھی، میں ان سب کو معاف کرتا ہوں، اور ان سے کوئی بدلہ نہیں لیا جائے گا۔

کعبہ کی چھت پر اذان

اس کے بعد آپ مسجد حرام میں تشریف لے گئے، اور مکہ مکرمہ کا پورا شہر آپ کے کنٹرول میں آگیا تو آپ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم کعبہ شریف کی چھت پر چڑھ کر اذان دو، تاکہ اللہ کے گھر سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد سب سے پہلے اللہ کی توحید کا کلمہ اور رسالت کا کلمہ بلند ہو، چنانچہ اس کام کے لئے آپ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامزد فرمایا کہ وہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دیں، چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی۔ قریش کے

بعض لوگ جو اپنے کو کعبہ کا محافظ اور پاسبان کہتے تھے، اور ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، وہ اس صورت حال کو دیکھ کر بہت کڑھ رہے تھے، ان میں سے کسی نے کہا کہ میرا باپ اچھا تھا کہ اس منظر کو دیکھنے سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو گیا، اور یہ برا منظر دیکھنے کی اس کو نوبت نہیں آئی، اور ہمارے حصے میں یہ منظر آیا ہے کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی جارہی ہے، اور توحید کا کلمہ بلند کیا جارہا ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ باعزت ہیں

ایک اور شخص نے یہ جملہ چست کیا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اذان دلوانی تھی تو اس کالے کوے کو (حضرت بلال کے لئے اس نے معاذ اللہ یہ الفاظ استعمال کیے) کعبہ پر چڑھا کر اذان کیوں دلوائی، کسی معزز اور شریف آدمی کو جو خاندانی اعتبار سے معزز ہوتا، اس کو اس کام کے لئے منتخب کرتے تو بات ٹھیک تھی، مگر ایک کالے حبشی کو بیت اللہ پر کھڑا کر کے اذان دلوائی...... حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ اہانت آمیز کلمہ کہا، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک تو حبشہ کے رہنے والے تھے، دوسرے یہ کہ سیاہ فام تھے، تیسرے یہ کہ پہلے غلام تھے، بعد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو خرید کر آزاد کیا تھا، اس وجہ سے ان لوگوں کی نگاہ میں ان کی کوئی وقعت نہیں تھی، اس لئے انہوں نے یہ فقرہ چست کیا کہ کالے کوے سے انہوں نے کعبہ پر اذان دلوائی ہے، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جو میں نے ابھی آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی، اس آیت کریمہ میں اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ لوگو! یہ غلط فہمی دماغ سے نکال دو کہ تم کسی بڑے خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے زیادہ باعزت ہو، ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، تمہارا باپ ایک ہے، تمہاری ماں ایک ہے، تمہارے باپ حضرت

آدم علیہ السلام ہیں، اور تمہاری ماں حضرت حوا علیہا السلام ہیں، تم سب ایک ماں باپ کے بیٹے ہو۔ اور تمہارے درمیان یہ جو مختلف قبیلے بنادیے کہ کوئی قریش کے قبیلے سے ہے، کوئی دوسرے قبیلے سے ہے، یہ صرف اس لئے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، شناخت قائم ہو سکے، ورنہ عزت کا دارومدار نہ کسی قبیلے پر ہے، نہ کسی خاندان پر ہے، نہ کسی نسب پر ہے، اور نہ کسی نسل پر ہے، اور نہ کسی وطن پر ہے، بلکہ تم میں باعزت وہ ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔ لہٰذا یہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دے رہے ہیں، یہ اگرچہ حبشہ کے رہنے والے ہیں، اور بظاہر سیاہ فام ہیں، اور یہ غلام رہ چکے ہیں، اور کسی بڑے خاندان سے ان کا تعلق نہیں، لیکن تم سب سے زیادہ متقی ہیں، تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں، تم سب سے زیادہ اللہ کی اطاعت کرنے والے ہیں، لہٰذا ان کی عزت ہے، اور یہ اللہ کی نظر میں باعزت ہیں، یہ تھا شان نزول اس آیت کریمہ کا۔

عزت کا تعلق قبیلے پر نہیں

روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعبہ کی چھت پر اذان دیدی تو اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا، اور اس خطبہ میں آپ نے فرمایا کہ: اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَذْھَبَ عَنْکُمْ عَصَبَۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ.

دیکھو! آج اچھی طرح سن لو کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کا یہ فخر اور غرور ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ تم جس بات پر غرور اور فخر کیا کرتے تھے کہ میں فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہوں، میں فلاں قبیلے سے تعلق رکھتا ہوں، ہمارا قبیلہ باعزت ہے، ہمارے مقابلے میں دوسرے قبیلے والے کم رتبہ ہیں، یہ سارا فخر و غرور آج اللہ تعالیٰ نے پاؤں تلے روند دیا، اب یہ بات نہیں چلے گی کہ کوئی آدمی دوسرے کو اس بنیاد پر

حقیر سمجھے کہ یہ شخص نچلے درجے کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے، سارے خاندان اللہ کی نظر میں برابر ہیں، البتہ جس کے اندر تقوی زیادہ ہوگا، وہ اللہ کے نزدیک باعزت ہے، اس کے بعد پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھ کر لوگوں کو سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا ہے۔

اتحاد کی بنیاد دین ہے

جیسا کہ میں نے پچھلے جمعے کو عرض کیا تھا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک بہت ہی بنیادی اصول کو واضح فرمایا ہے، وہ یہ کہ وحدت اور اتحاد دین اور تقوی کی بنیاد پر ہونا چاہئے، سارے انسان برابر ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: كُلُّكُمْ مِنْ آدَمَ وَ آدَمُ مِنْ تُرَابٍ. یعنی تم سب آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئے ہو، اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے تھے، سب کی اصل ایک ہی ہے، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہارے اندر دو جماعتیں بنادیں، خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ. (سورۃ التغابن: ۲) ایک مؤمن کی جماعت، اور ایک کافر کی جماعت، اور جو مؤمن ہیں، وہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ. چاہے وہ کسی بھی خاندان اور کسی بھی وطن سے تعلق رکھتا ہو، اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس اصول کے نافذ ہونے کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں اس اصول کو اس طرح جاری فرمایا کہ عربوں کے خاندانوں میں جو پرانے اور قدیم جھگڑے چلے آتے تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی بدولت ختم فرمادیا۔

دوسری جگہ قرآن کریم نے فرمایا:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ

بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا (سورۃ ال عمران:۳:۱۰۳)

اس وقت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے تم سب کو اسلام کی چھتری کے نیچے جمع کر کے سب کو بھائی بھائی بنا دیا، اب تم اللہ کے فضل سے سب بھائی بھائی بن گئے، اور تمہارے دلوں کو جوڑ دیا۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو اس وقت وہاں اوس اور خزرج دو قبیلے تھے، جن کے درمیان ہمیشہ لڑائی چلتی تھی، سالہا سال تک جنگیں جاری رہتی تھیں، ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آ کر جب ان کے دلوں کو جوڑا، اور سب اللہ کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے، اس کے بعد کوئی لڑائی ان کے درمیان نہیں ہوئی۔

لڑائی کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جہاد میں تشریف لے گئے تھے، یہ غزوہ بنو المصطلق کے نام سے پیش آیا، بنو المصطلق کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کے لئے لشکر جمع کر رہے تھے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی ایک جمعیت کو لے کر خود ان پر حملہ کر دیا، تا کہ ان کو حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح عطا فرمائی۔ فتح کے بعد لشکر ابھی اسی جگہ ٹھہرا ہوا تھا کہ وہاں دو آدمیوں کے درمیان لڑائی ہو گئی، بہر حال وہ بھی انسان تھے، اور انسانوں میں کبھی کبھی لڑائی بھی ہو جاتی ہے، اتفاق سے ان میں ایک صحابی مہاجر تھے، جو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے آئے تھے، اور دوسرے صحابی انصاری تھے، جو مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے، دونوں میں تکرار ہو گئی، اور تکرار کے نتیجے میں تھوڑی سے ہاتا پائی بھی ہو گئی، تو جو انصاری صحابی تھے انہوں نے

یہ نعرہ بلند کردیا "یا للانصار" اے انصار مدینہ میری مدد کے لئے آؤ، جب انصاری صحابی نے انصار مدینہ کو مدد کے لئے بلایا تو جو مہاجر صحابی تھے، انہوں نے یہ نعرہ بلند کیا "یا للمہاجرین" اے مہاجرین، میری مدد کے لئے آؤ، تو ایک کی دعوت پر انصاری جمع ہو گئے، اور دوسرے کی دعوت پر مہاجرین جمع ہو گئے، اور قریب تھا کہ انصار اور مہاجرین کے درمیان لڑائی شروع ہو جائے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی کہ اچانک یہ واقعہ پیش آگیا ہے تو آپ بہت تیزی سے اس جگہ تشریف لائے، اور آپ نے مہاجرین اور انصار کو لڑائی سے روکا، اور ایک خطبہ دیا، اس خطبہ میں آپ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ: یہ تم نے کیا نعرہ لگایا کہ اے مہاجرین آجاؤ، اے انصار آجاؤ "دعوا ھا فانہا منتنۃ" یعنی یہ جو تم نے مہاجرین اور انصاری ہونے کی بنیاد پر لوگوں کو بلایا ہے، یہ طریقہ اور یہ نعرہ چھوڑ دو، اس لئے کہ یہ بد بودار نعرہ ہے، یہ عصبیت اور تعصب ہے کہ مہاجر مہاجر کا ساتھ دے، اور انصار انصار کا ساتھ دے، یہ بد بودار طریقہ ہے، یہ شیطان کا حربہ ہے جو اس نے تمہارے درمیان کھیلا ہے، اور میرے تمہارے درمیان موجود ہوتے ہوئے تم اس قسم کے نعروں کی طرف جا رہے ہو، یہ سب شیطان کا پھیلایا ہوا فساد ہے، اس سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

یہ بد بودار واقعہ ہے

یاد رکھو! تم میں نہ کوئی مہاجر ہے، اور نہ کوئی انصاری ہے، بلکہ سب مسلمان ہیں، ہاں جو مظلوم ہو، چاہے وہ انصاری ہو یا مہاجر ہو، اس کی مدد کرو، اور جو ظالم ہے، اس کا ہاتھ پکڑو، چاہے وہ مہاجر ہو، یا انصاری ہو، لیکن مہاجر ہونے کی بنیاد پر یا انصاری ہونے کی بنیاد پر اگر تم ایک دوسرے کو بلاؤ گے تو یہ جاہلیت کا نعرہ ہے، یہ بد بودار نعرہ ہے اس کو چھوڑ دو۔

یہ منافقین کی چال تھی

الحمد للہ! صحابہ کرام اس سے رک گئے، یہ تو وقتی طور پر شیطان نے ایک شوشہ چھوڑ دیا تھا، یہ بھی درحقیقت منافقین نے چھوڑا تھا، وہ اس طرح کہ ایک انصاری کو ایک مہاجر نے مارا تو منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے کہا کہ یہ مہاجر تو مکہ سے آکر ہمارے یہاں مدینہ میں آباد ہو گئے ہیں، اب ان کو اتنی جرأت ہو گئی کہ ہمارے ہی آدمی کو مار رہے ہیں، یہ تو ذلیل لوگ ہیں، اور ہم عزت والے ہیں، اور جب ہم مدینہ پہنچیں گے تو ان ذلیل لوگوں کو مدینہ سے نکال باہر کریں گے، اس طرح کے شوشے منافقین نے پھیلائے، اور یہ کہا کہ انصاریوں کو بلاؤ، تاکہ سب اکٹھا ہو کر ان سے مقابلہ کریں۔ بہر حال! یہ منافقین کا چھوڑا ہوا شوشہ تھا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اس طرح تردید فرمائی، اور صحابہ کرام کو اس عصبیت سے منع کیا، اس کے بعد پوری حیات طیبہ میں کبھی یہ مسئلہ پیدا نہیں ہوا کہ مہاجرین اور انصاری ایک دوسرے کے خلاف کھڑے ہو جائیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عصبیت کے بت کو اپنے پاؤں تلے روند دیا، اور یہ تعلیم دی کہ ایک دوسرے کی مدد اس بنیاد پر نہ کرو کہ یہ میرا ہم وطن ہے، یہ میری زبان بولتا ہے، یہ میرے خاندان اور قبیلے سے تعلق رکھتا ہے، اگر کسی کی مدد کرنی ہے تو حق اور انصاف کی بنیاد پر مدد کرو، چاہے وہ کسی بھی قبیلے کا ہو، کسی بھی خاندان کا ہو، کوئی بھی زبان بولتا ہو۔

سب مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں

بہر حال! یہ اتنا بڑا اور اہم اصول ہے جو اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا گیا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے دکھایا، جس نے سارے مسلمانوں

کو بھائی بھائی بنا دیا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا کہ سارے مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں، جیسے ایک جسم کے ایک حصے کو تکلیف ہو جائے تو سارا جسم اس سے بے چین ہو جاتا ہے، سارا جسم رات کو نہیں سو سکتا، اور پورے جسم کو بخار آ جاتا ہے، اس وجہ سے کہ اس کے جسم کا ایک حصہ درد میں ہے۔ اسی طرح مسلمان ہیں، کہ ایک مسلمان کہیں بھی رہتا ہو، کوئی بھی زبان بولتا ہو، لیکن جب وہ مسلمان ہے تو اس کی تکلیف ساری دنیا کے مسلمان اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں۔ یہ ہے درحقیقت ''وحدت اسلامی'' جس کا درس قرآن کریم نے دیا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس پر عمل کر کے دکھایا، افسوس ہے کہ یہ عظیم الشان درس ہم اپنی تاریخ کے مختلف مرحلوں میں بار بار بھولتے رہے ہیں، اس درس کو نظر انداز کرتے رہے ہیں، اور اس کے نتیجے میں ہم دنیا کے اندر ذلیل ہوتے رہے، دشمنوں کے آگے مغلوب ہوتے رہے، اور دشمنوں کے غلام بنتے رہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے یہ اصول ہمارے دلوں میں اچھی طرح بٹھا دے اور ہمارے طرز عمل کو اس کے مطابق بنا دے، آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

قومی عصبیت

جھگڑوں کا بڑا سبب

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱ - لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جھگڑوں کا بڑا سبب

قومی عصبیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○

(سورۃ الحجرات: ۱۳)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، و صدق رسولہ النبی الکریم، و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین، والحمد للہ رب العٰلمین۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! یہ آیت کریمہ جو ابھی میں نے آپ کے

سامنے تلاوت کی ہے، یہ سورت الحجرات کی آیت ہے، جس کی تفسیر اور تشریح کا سلسلہ کچھ عرصہ سے چل رہا ہے، آپ نے اگر شروع سے سورت الحجرات کے مضامین کے بارے میں یہ بیانات سنے ہیں تو آپ کو اس بات کا اندازہ ہوا ہوگا کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے باہمی جھگڑوں اور اختلافات کو ختم کرنے کی تدبیریں بیان فرمائی ہیں، اگر مسلمانوں کے درمیان آپس میں جھگڑا ہو جائے تو عام مسلمانوں کو یہ ترغیب دی گئی ہے کہ ان کے درمیان مصالحت کرائیں اور اگر مصالحت نہ ہو سکے تو پھر ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کریں۔

جھگڑے کے مختلف اسباب

پھر ان اسباب کی نشاندہی فرمائی ہے جن سے عام طور پر جھگڑے پیدا ہوتے ہیں، چنانچہ فرمایا کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کا مذاق نہ اڑائے، کیونکہ بسا اوقات اس کی وجہ سے جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے کہ ایک آدمی دوسرے کا مذاق اڑاتا ہے، اور اس سے دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہے، اس طرح لڑائی جھگڑا کھڑا ہو جاتا ہے، پھر فرمایا کہ تم ایک دوسرے کی جستجو اور ٹوہ میں نہ پڑو کہ ایک دوسرے کا عیب تلاش کرنے کی کوشش کرتے رہو، کیونکہ بسا اوقات جھگڑے اس کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ ایک آدمی خواہ مخواہ دوسرے کے معاملات میں دخل اندازی کرتا ہے، اس کے معاملات کی جاسوسی کرتا ہے، دوسرے کو اس سے تکلیف ہوتی ہے، اور اس کے نتیجے میں لڑائی جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا تھا کہ ایک دوسرے کو طعنے نہ دو، کیونکہ طعنہ دینے سے تکلیف ہوتی ہے، اور اس کے نتیجے میں جھگڑا پیدا ہوتا ہے، ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھو، کیونکہ ایک آدمی کا اچھا نام ہے، آپ نے اس کا نام بگاڑ کر کوئی نام رکھ دیا، جس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے، اور اس کے نتیجے میں جھگڑا پیدا ہوتا ہے، پھر فرمایا تھا کہ ایک

دوسرے کی غیبت نہ کرو، اس لئے کہ جب سامنے والے کو پتہ چلتا ہے کہ میرے پیچھے میری برائی بیان کی گئی تھی تو اس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے، اور اس کے نتیجے میں جھگڑا پیدا ہوتا ہے، بہر حال! جھگڑے کے بہت سارے اسباب اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں بیان فرمائے ہیں، اور ان کو ختم کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔

جھگڑے کا ایک اور سبب ''قومی عصبیت''

ایک اور جھگڑا جو ہمارے درمیان پیدا ہوتا ہے، اس کو ختم کرنے کا ایک بہت اہم اصول اس آیت میں بیان فرمایا ہے، وہ یہ کہ بعض اوقات اس بناء پر جھگڑے پیدا ہوتے ہیں کہ انسانوں کے دو گروہ ہیں، اور دونوں گروہ نے اپنے خاندان، اپنے قبیلے، اپنی زبان اور اپنے وطن کے اعتبار سے اپنی اپنی جماعت بنائی ہوئی ہے، اور اس طرح انہوں نے مسلمانوں کو تقسیم کر دیا ہے کہ یہ سندھی ہے، یہ بنگالی ہے، یہ پنجابی ہے، یہ پٹھان ہے، یہ مہاجر ہے، یہ فلاں ہے، اور صرف تقسیم ہی نہیں کیا، بلکہ ہر جماعت اپنے کو دوسرے سے زیادہ افضل اور دوسرے سے زیادہ اعلیٰ، زیادہ بلند مرتبہ سمجھتی ہے، اور دوسرے کو اپنے مقابلے میں حقیر سمجھتی ہے، میں جس جماعت سے جس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں، وہ بہت عزت والا ہے، اور دوسرا جس گروہ جس جماعت سے تعلق رکھتا ہے، وہ معاذ اللہ حقیر اور ذلیل ہے، بہت سے جھگڑے اس سوچ کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

شرافت کی بنیاد خاندان نہیں

قرآن کریم نے اس دوسری قسم کے جھگڑوں کو ختم کرنے کے لئے سارے انسانوں سے خطاب کرتے ہوئے بہت اہم اصول بیان فرمایا کہ اے لوگو! اس میں

صرف مسلمانوں سے خطاب نہیں ہے، بلکہ ساری انسانیت سے خطاب ہے کہ اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے پیدا کیا، تم سب کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اور تم سب کی ماں حضرت حوا علیہا السلام ہیں، سارے انسان انہی دونوں سے پیدا ہوئے ہیں، اس کے بعد ہم نے تمہیں مختلف گروہوں اور مختلف قبیلوں میں تقسیم کر دیا، یہ فلاں قبیلے سے تعلق رکھتا ہے، یہ فلاں برادری سے تعلق رکھتا ہے، اور یہ تقسیم ہم نے صرف اس لئے کی ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، شناخت کر سکو، مثلاً عبداللہ کئی انسانوں کا نام ہے، لیکن ایک عبداللہ کو دوسرے عبداللہ سے ممتاز کرنے کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ عبداللہ وہ ہے جو کراچی میں پیدا ہوا، اور یہ عبداللہ وہ ہے جو لاہور میں پیدا ہوا، اور یہ عبداللہ فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہے، یہ عبداللہ فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہے، صرف پہچاننے کے لئے ہم نے یہ قبیلے بنائے، لہٰذا شرف اور فضیلت کا مدار خاندانوں اور قبیلوں پر نہیں ہے، کوئی انسان دوسرے انسان پر اس بناء پر فوقیت نہیں رکھتا کہ وہ کسی خاص خاندان سے تعلق رکھتا ہے، یا کسی خاص قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔

عزت کی بنیاد ''تقویٰ'' ہے

شرافت اور بزرگی اگر کسی کو حاصل ہوگی تو وہ تقویٰ کی بنیاد پر ہوگی "إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ" تم میں سب سے زیادہ شریف، اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ با عزت وہ ہے جو تم میں زیادہ متقی ہو، جتنا متقی ہوگا، اتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں با عزت ہوگا، چاہے وہ کسی نچلی ذات سے تعلق رکھتا ہو، یا معمولی خاندان سے تعلق رکھتا ہو، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت عظمت والا ہے، عزت والا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اس کو ثابت کر کے دکھایا۔

اہل عرب اور قبائلی عصبیت

عرب کے لوگوں میں قبائلی عصبیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، فلاں قبیلہ اونچے درجے کا ہے، فلاں قبیلہ نیچے درجے کا ہے، یہ قبیلہ زیادہ بزرگی والا ہے، یہ قبیلہ کم بزرگی والا ہے، یہ تصورات ذہنوں میں پیوست تھے، اور اس طرح پیوست تھے کہ ذہنوں سے نکلتے ہی نہیں تھے، اور جب عربوں کے ہی بعض قبیلوں میں آپس میں اونچ نیچ تھی تو عرب سے باہر کے لوگوں کو کوئی درجہ دینے کا سوال ہی نہیں تھا، بلکہ اہل عرب سارے غیر عرب کو عجم کہتے تھے، اور عجم کے معنی ہیں ''گونگا'' یعنی سب گونگے، ان کو بولنا نہیں آتا، لہٰذا عجمیوں کو وہ نچلے درجے کا سمجھتے تھے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا مقام

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل کے ذریعہ یہ ثابت کر دیا کہ کوئی آدمی چاہے کسی قبیلے سے تعلق رکھتا ہو، کسی بھی علاقے کا باشندہ ہو، جب وہ اللہ کا بندہ بن گیا، اور اللہ کے آگے اس نے اپنا سر جھکا دیا، اللہ کا خوف اس کے دل میں پیدا ہو گیا، اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اس نے کر لی وہ اب دوسروں پر بازی لے گیا، چاہے وہ کالا حبشی ہی کیوں نہ ہو، حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھیں اللہ تعالیٰ نے ان کو کیا مقام بخشا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ اے بلال رضی اللہ عنہ! یہ بتاؤ کہ کون سا عمل تم ایسا کرتے ہو کہ میں نے جنت میں اپنے سے آگے تمہارے قدموں کی چاپ سنی؟ اذان دینے کا جو عظیم منصب تھا، اس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منتخب فرمایا۔ دنیا دیکھتی رہ گئی کہ قبیلے کے بڑے بڑے لوگ تھے، جیسے ابوسفیان، ابوجہل اور ابولہب،

امیہ بن خلف، یہ سب اپنے قبیلوں کے سردار سمجھے جاتے تھے، یہ سب تو ایک طرف ہٹ گئے، اور اس حبشی غلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام بخشا۔

حضرت زاہدؓ کا مقام

روایات میں آتا ہے کہ مدینہ منورہ سے کچھ فاصلے پر ایک گاؤں تھا، اس میں ایک صاحب رہا کرتے تھے، جو بالکل مفلس اور فقیر قسم کے آدمی تھے، سیاہ فام تھے، سارا جسم سیاہ تھا، پھٹے پرانے کپڑے پہنے رہتے تھے، کبھی کبھار کوئی چیز خریدنے کے لئے یا بیچنے کے لئے مدینہ منورہ آیا کرتے تھے، ان کا نام زاہد تھا، جب وہ آیا کرتے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ بڑی محبت کا معاملہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بازار سے گزر رہے تھے، آپ نے دیکھا کہ زاہد کھڑے ہوئے ہیں اور ان کی پشت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے، آپ نے پیچھے سے جا کر ان کی کولی بھر لی، اور ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیے، اور پھر آپ نے آواز لگائی کہ: مَنْ يَّشْتَرِيْ هٰذَا الْعَبْدَ مِنِّيْ؟ کون ہے جو یہ غلام مجھ سے خرید لے، اس طرح مذاق میں آپ نے ان کے ساتھ خوش طبعی فرمائی۔ انہوں نے جب آواز سنی تو پہچان گئے کہ مجھے پکڑنے والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تو اس وقت وہ اور زیادہ اپنے جسم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم سے متصل کرنے لگے، زیادہ سے زیادہ قریب کرنے لگے، اور یہ کہا کہ یا رسول اللہ! کوئی اس غلام کو نہیں خریدے گا، اس لئے کہ یہ بالکل بے قیمت غلام ہے، دنیا میں کوئی اس کو خریدنے والا نہیں، تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم اللہ کے یہاں بے قیمت نہیں ہو، اللہ کے یہاں تمہاری قیمت بہت بڑی ہے۔

حجۃ الوداع میں اہم اعلان

بہر حال! اس نخوت اور تکبر کو جو نسب کی بنیاد پر قبیلے اور خاندان اور برادری کی بنیاد پر دلوں میں بیٹھا ہوا تھا، قدم قدم پر اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈھا دیا، یہاں تک کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جہاں ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام کا مجمع تھا، اس وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج میں نے جاہلیت کی عصبیت کو اپنے پاؤں تلے روند دیا ہے، لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِأَبْيَضَ عَلٰى أَسْوَدَ إِلَّا بِالتَّقْوٰى. کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں، اور نہ کسی سفید فام کو کسی سیاہ پر کوئی فوقیت حاصل ہے، اگر کسی کو فوقیت حاصل ہے تو وہ تقویٰ کی بنیاد پر ہے، یہ اعلان فرمایا۔

جب تک مسلمان متحد رہے

آپ نے مسلمانوں کو بار بار تاکید فرمائی کہ "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" سارے مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں، چاہے وہ کسی بھی قبیلے سے، کسی بھی خاندان سے، کسی بھی علاقے سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس کی بار بار تاکید کیوں فرمائی؟ اس لئے کہ آپ جانتے تھے کہ مسلمانوں کے درمیان ایک بہت بڑا فتنہ یہ پیدا ہونے والا ہے کہ لوگ مسلمانوں کے اتحاد کو صوبائی عصبیت کی بنیاد پر اور خاندانی عصبیت کی بنیاد پر، اور لسانی عصبیت کی بنیاد پر پارہ پارہ کرنے کی کوشش کریں گے، مسلمانوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک جب کبھی مسلمان اللہ کے جھنڈے کے نیچے متحد ہوئے، اور وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (سورۃ آل عمران: ۱۰۳) کے حکم پر عمل کیا، اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھاما، اور

آپس میں فرقہ واریت نہ کرنے کے حکم پر عمل کیا تو مسلمان اس وقت تک مستحکم رہے، اور کسی دشمن کی جرأت نہیں ہوئی کہ بری آنکھ سے اس کو دیکھے۔

صلیبی جنگیں اور کامیابی

لیکن جب دشمنوں نے یہ دیکھا کہ طاقت کے زور پر مسلمانوں کو ختم کرنا ممکن نہیں ہے، صلیبی جنگوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں کہ یہ صلیبی جنگیں مسلمانوں کے خلاف لڑی گئیں، لیکن ہر صلیبی جنگ میں دشمنوں نے منہ کی کھائی، اور وہ کبھی کامیاب نہیں ہوئے، اس وقت یہ حال تھا کہ صلاح الدین ایوبی اور نور الدین زنگی اور عماد الدین زنگی یہ سب غلاموں کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، لیکن مسلمانوں نے ان کو اپنا امیر بنایا ہوا تھا، اپنا قائد بنایا ہوا تھا، باوجودیکہ یہ غلاموں کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے کہ یہ سب "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ" کے معیار پر پورے اترتے تھے، اس لئے ان کے جھنڈے تلے سب متحد تھے، نتیجہ یہ تھا کہ ہر ہر قدم پر عیسائیوں کو شکست فاش دی۔

خلافت عثمانیہ اور دشمنوں کا خوف

دشمنوں نے ایک عرصہ دراز تک جائزہ لینے کے بعد یہ سمجھا کہ مسلمانوں کی قوت کا راز ان کے اتحاد میں ہے، لہٰذا انہوں نے اس اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لئے عصبیت کا بیج بویا، آپ کو معلوم ہے کہ جس زمانے میں خلافت عثمانیہ ترکی میں قائم تھی، اور اس کا مرکز استنبول تھا، اس وقت سارا عالم اس کے زیر نگیں تھا، اور سب نے اس کو اپنا خلیفہ مانا ہوا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کا اتنا رعب ڈالا ہوا تھا کہ خلافت عثمانیہ کا نام سن کر دشمن تھرایا کرتے تھے، کسی کو یہ جرأت نہیں ہوتی تھی اس کی

آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کر سکے، اور جب کبھی یورپ کے بڑے بڑے حکمرانوں نے خلافت عثمانیہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو ہمیشہ منہ کی کھائی۔

دشمنوں کی چال

آخر میں دشمنوں نے یہ چال چلی۔عربوں سے کہا کہ تم تو عرب ہو، تمہارے پاس قرآن نازل ہوا تھا، تمہارے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آئے تھے، تمہاری زبان میں اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا تھا، تم کہیں زیادہ دوسروں سے فوقیت رکھتے ہو، لیکن اس کے باوجود یہ ترک تم پر حکومت کررہے ہیں، لہٰذا ''عرب لیگ'' کے نام سے ایک تنظیم بنوادی کہ ہم عرب ہیں، اور ہم ترکوں کے زیرنگیں نہیں رہیں گے۔ دوسری طرف ترکی کو یہ سبق پڑھایا کہ تم ترکی ہو، لیکن تم نے عربی زبان اختیار کررکھی ہے، عربی رسم الخط اپنا رکھا ہے، حالانکہ عربی زبان کا تمہاری زبان سے کوئی تعلق نہیں، تمہارا رسم الخط بھی عربی نہیں ہونا چاہئے، تمہارا تعلق بھی عرب سے نہیں ہونا چاہئے، یہ کہہ کر یہاں پر ترکستان کے لوگوں کو عرب کے خلاف کھڑا کردیا۔

دشمنوں کی چال کا نتیجہ

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب ترکوں کے پاس حکومت آئی تو انہوں نے ملازمتوں میں ترکوں کو عربوں کے مقابلے میں فوقیت دینی شروع کردی، جس کے نتیجے میں عربوں کو یہ شکایت ہوئی کہ یہ ترک عربوں کو ملازمت نہیں دیتے، اور دوسری طرف عربوں کو یہ سکھایا کہ تمہیں ترکوں کے ماتحت نہیں رہنا چاہئے، اس کے نتیجے میں دونوں کو لڑادیا، اور ادھر ''عرب لیگ'' قائم ہوگئی، اور ادھر مصطفیٰ کمال پاشا کھڑا ہوگیا، اور اس نے کہا کہ میں خلافت کو قائم نہیں رہنے دوں گا، اور اس خلافت

کوختم کر کے ترکوں کی بالا دستی قائم کروں گا، چنانچہ اس نے عربی زبان میں اذان دینی منع کر دی، مسجدوں میں جو لوگ عربی میں نماز پڑھیں، یا اذان دیں، اس کو جرم قرار دیدیا گیا، عربی لباس پہننا ممنوع قرار دیدیا، اس لڑائی کے نتیجے میں خلافت عثمانیہ ٹوٹ گئی، اور مسلمانوں کی متحدہ قوت پارہ پارہ ہوگئی۔

اس بات کو اقبال مرحوم نے اس طرح بیان کیا ہے کہ:

چاک کردی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ

دشمنوں نے یہ چال چل کر مسلمانوں کو پارہ پارہ کر دیا۔ آپ اندازہ لگائیں کہ وہ خلافت عثمانیہ اتنی بڑی سلطنت تھی کہ جس میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا، اس کو بے شمار حصوں میں تقسیم کر دیا، اور آج مسلمانوں کے ۵۲ ملک ہیں، گویا کہ خلافت عثمانیہ کو ۵۲ حصوں میں تقسیم کر دیا، جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی قوت پارہ پارہ ہوگئی، اور دشمنوں کی چاندنی ہوگئی، اور انہوں نے مسلمانوں کو لقمہ تر سمجھ لیا۔

عصبیت بڑا فتنہ۔

بہر حال! یہ عصبیت اتنا بڑا فتنہ ہے کہ جو مسلمانوں کے سیاسی زوال کا بہت بڑا سبب بنا، اقبال مرحوم کہتے ہیں:

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیراہن ہے اس کا وہ ملت کا کفن ہے

یعنی یہ جو نئے نئے خدا بنائے گئے ہیں، ان نئے خداؤں میں سب سے بڑا خدا یہ ہے کہ جو میرے وطن کا رہنے والا ہے، وہ تو میرا ہے، اور جو میرے وطن کا رہنے والا نہیں ہے، وہ میرا نہیں ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ملت کا جو اتحاد تھا وہ گویا

پارہ پارہ ہو کر اس کو تم نے کفن پہنا دیا۔

آج بھی یہ فتنہ موجود ہے

یہ بہت اہم سبق ہے، جو قرآن کریم کی یہ آیت دے رہی ہے، اور آج بھی ہمارے اندر یہ فتنہ موجود ہے، وہ ہے صوبائی عصبیت کا فتنہ، یہ سندھی ہے، یہ پنجابی ہے، یہ بنگالی ہے، یہ بلوچی ہے، یہ مہاجر ہے، یہ پٹھان ہے، یہ فتنے آج ہمارے ہاں موجود ہیں، اور ان فتنوں کے نتیجے میں ہم ایک صالح اور نیک اور انصاف والی حکومت سے محروم ہیں، آپ ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھئے کہ جب انتخابات ہوتے ہیں تو کس بنیاد پر ووٹ دیے جاتے ہیں؟ کیا کوئی یہ دیکھتا ہے کہ کون سا آدمی کردار کے اعتبار سے، اور عمل کے اعتبار سے، اور تقویٰ کے اعتبار سے بہتر ہے، یہ دیکھتے ہیں، یا یہ دیکھتے ہیں کہ کون میری برادری کا ہے؟ آج سارے ووٹ برادریوں کی بنیاد پر ڈالے جا رہے ہیں، فلاں میری برادری ہے، مجھے تو اسی کو ووٹ دینا ہے، چاہے یہ کیسا بھی ہو، جانتا ہے کہ وہ شخص ظالم ہے، جانتا ہے کہ وہ کرپٹ ہے، جانتا ہے کہ وہ بدقماش ہے، جانتا ہے کہ اگر وہ برسر اقتدار آئے گا تو لوگوں کا خون چوسے گا، لیکن چونکہ یہ میری برادری سے تعلق رکھتا ہے، لہٰذا مجھے ہر حال میں اسی کو ووٹ دینا ہے۔

ورنہ ظلم برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ

جب ہمارا یہ حال ہے تو پھر اگر جابر اور ظالم حکمران ہم پر مسلط ہوتے ہیں تو بتاؤ یہ کس کا قصور ہے؟ بتاؤ یہ کس کی خامی ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اِنَّمَا اَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ" تمہارے حکمران تمہارے اعمال کا آئینہ ہیں۔ تم نے جو بویا ہے وہی کاٹو گے، اگر تم برادریوں کی بنیاد پر، صوبوں کی بنیاد پر اور وطن کی

بنیاد پر لوگوں کو منتخب کرتے ہو تو پھر اس بات کے لئے تیار رہو کہ تم پر ایسا حکمران آئے جو تمہارا خون چوسے، تم پر ظلم کرے، جب تک تم قرآن کریم کی اس ہدایت کی طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے کہ "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ" تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو، جس کے دل میں تقویٰ ہو، جو متقی ہو، جو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے کا احساس رکھتا ہو، جب تک تم اس کی طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے، اور جب تک ایسے شخص کو منتخب نہیں کرو گے، اسی ادھیڑ بن میں مبتلا رہو گے، جس میں آج مبتلا ہو، ایک سے بڑھ کر ایک جابر و ظالم حکمران آتا رہے گا، اور اپنی من مانی کرتا رہے گا، اور معاشرہ خراب سے خراب تر ہوتا چلا جائے گا۔

خلاصہ

اگر قرآن کریم کی اس ہدایت کو ہم اپنا لیں کہ "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ" کہ ہمیں تو وہ پسند ہے جو اللہ کا خوف رکھنے والا ہو، جو اللہ کے بندوں پر رحم کھانے والا ہو، جو اللہ کے بندوں کے ساتھ انصاف کرنے والا ہو، چاہے وہ برادری کا ہو، یا کسی اور برادری کا ہو، چاہے وہ ہمارے وطن کا ہو، یا کسی اور وطن کا ہو، چاہے وہ ہماری زبان بولتا ہے، یا نہ بولتا ہے، لیکن اگر اس کے دل میں خدا کا خوف ہے، تو وہ ہمارا ہے، جب تک یہ تصور پیدا نہیں کرو گے اور قرآن کی اس ہدایت پر عمل نہیں کرو گے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل نہیں کرو گے، اسی طرح ٹھوکریں کھاتے رہو گے، اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

زبانی ایمان

قابل قبول نہیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱/۱۸۸، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زبانی ایمان قابل قبول نہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ٥ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ٥

(سورۃ الحجرات : ۱۴ تا ۱۸)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، و صدق رسوله النبی الکریم، و نحن علی ذالك من الشاهدین و الشاکرین، والحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

تمہید

بزرگان محترم اور برادران عزیز! کافی عرصہ سے سورۃ الحجرات کی تفسیر اور تشریح کا سلسلہ چل رہا ہے، اور آج میں نے اس سورت کی آخری آیات آپ حضرات کے سامنے تلاوت کیں، اس پر انشاء اللہ سورۃ الحجرات کی تفسیر مکمل ہو جائے گی، جو آیات میں نے ابھی آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی ہیں، ان کے شان نزول کا ایک خاص واقعہ ہے، واقعہ یہ ہے کہ عرب میں کچھ دیہاتی لوگ تھے، جن کو اعرابی کہا جاتا ہے، اور جن کو بدو بھی کہتے ہیں، یہ لوگ مدینہ منورہ میں آئے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور کلمہ توحید اور کلمہ شہادت پڑھ لیا، اور ظاہری اعتبار سے اسلام قبول کر لیا۔

شان نزول

جب اسلام قبول کر لیا تو مدینہ منورہ میں کچھ عرصہ رہے، تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نت نئے مطالبات شروع کر دیے کہ ہم چونکہ اسلام لے آئے ہیں، لہٰذا ہماری مالی مدد کریں، فلاں چیز ہمیں دیں، اور انداز ایسا اختیار کیا کہ گویا اسلام لا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان کیا ہے، اور اگر مطلوبہ چیز ان کو مل جاتی

تو وہ خوش ہو جاتے، اور اگر نہ ملتی تو انداز ایسا اختیار کرتے جیسے ہمارے مسلمان ہونے کا تو کوئی فائدہ ہی نہیں ہوا، تو ان لوگوں کے بارے میں یہ آخری آیات نازل ہوئی ہیں۔

پہلی آیت کا ترجمہ

پہلے ان آیات کا ترجمہ سن لیں، پھر ان کی تشریح عرض کروں گا، باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ دیہاتی لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیں کہ تم ابھی تک ایمان نہیں لائے، ہاں! یہ کہو کہ ہم نے سر جھکا دیا ہے، ظاہری اعتبار سے تم نے اسلام قبول کرلیا ہے، ظاہری اعتبار سے تم نے کلمہ شہادت پڑھ لیا ہے، اور بظاہر تم نے اطاعت اختیار کرلی ہے، لیکن ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا، اور اگر تم اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو گے، فرمانبرداری کرو گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے اعمال میں سے کسی عمل میں کمی نہیں کریں گے، بلکہ ہر عمل کا پورا پورا ثواب دیں گے، بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والے ہیں، بہت رحمت کرنے والے ہیں۔

دوسری آیت کا ترجمہ

اب سوال پیدا ہوا کہ یہ جو کہا گیا کہ تم ابھی تک ایمان نہیں لائے، بلکہ ظاہری طور پر اسلام قبول کرلیا ہے، تو حقیقی ایمان لانے کی علامت کیا ہے؟ اس کے بارے میں باری تعالیٰ نے اگلی آیت میں فرمایا کہ صحیح معنی میں ایمان لانے والے وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے، اور پھر کسی شک کا اظہار نہیں کیا۔ وہی بات کہ اگر کوئی دنیاوی فائدہ حاصل ہوگیا تو ٹھیک ہے، اور اگر دنیاوی

کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا تو کہنے لگے کہ ہمارے اسلام لانے کا تو کوئی فائدہ نہیں۔ یہ تو ایمان لانا نہ ہوا، یہ تو شک اظہار ہوا، اور جبکہ صحیح معنی میں اسلام لانے والے وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، پھر شک مین مبتلا نہیں ہوتے، اور اپنے مال سے اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جدو جہد کرتے ہیں، اور کوشش کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے ایمان کے دعوی میں سچے ہیں۔

تیسری آیت کا ترجمہ

آگے فرمایا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اِن اعرابیوں اور دیہاتیوں سے کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنے دین کے بارے میں آگاہ کرنا چاہتے ہو، اور بتانا چاہتے ہو کہ تم نے ایمان قبول کرلیا ہے، تم اسلام لے آئے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمین میں ہے، اور تمہارے دل کی گہرائیوں میں جو باتیں ہیں، ان کو بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے، اس وجہ سے تم اللہ تعالیٰ کو یہ کہہ کر دھوکہ نہیں دے سکتے کہ تمہارا دین اسلام ہے، اور تم مسلمان ہو گئے ہو، حقیقت میں تم مسلمان نہیں ہوئے ہو، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں۔

چوتھی اور پانچویں آیت کا ترجمہ

پھر فرمایا کہ یہ لوگ آپ پر احسان جتاتے ہیں اس بات کا کہ وہ اسلام لے آئے، گویا کہ اپنے اسلام لانے کا احسان آپ پر رکھتے ہیں، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ جتلاؤ، اس لئے کہ اول تو تم صحیح معنی میں مسلمان ہوئے ہی نہیں ہو، ایمان تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں، ہوا، تم نے صرف دنیاوی فائدے حاصل کرنے کے لئے کلمہ شہادت

پڑھ لیا ہے، لہٰذا حقیقت میں تو تم مسلمان نہیں ہوئے، لیکن اگر تم اپنے ایمان کے دعوی میں سچے بھی ہو، اور صحیح معنی میں اسلام قبول کرلیا ہو تب بھی تمہارا کوئی احسان اللہ تعالیٰ پر نہیں ہے کہ تم نے اسلام قبول کرلیا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کے چھپے ہوئے بھید سے واقف ہے، آسمان اور زمین میں جتنے راز ہیں، جتنی خفیہ چیزیں ہیں، ان سب کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے، اور اللہ تعالیٰ ان سب باتوں کو دیکھ رہا ہے جو تم کرتے ہو۔ اسی پر سورت ختم ہوئی، یہ تھا ان آیات کا ترجمہ جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیں۔

محض زبان سے کلمہ پڑھ لینے کا نام ایمان نہیں

ان آیات میں دو تین باتیں ہیں، جو ہمارے اور آپ کے لئے بڑے عظیم سبق پر مشتمل ہیں، پہلی بات یہ ہے کہ ایمان درحقیقت محض زبان سے کلمہ پڑھ لینے کا نام نہیں کہ بس زبان سے کلمہ پڑھ لیا، اور آدمی مؤمن ہوگیا، کیونکہ ہمیں تو حکم ہے کہ اگر کوئی زبان سے کلمہ پڑھ لے تو تم اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کرو، لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو معاملہ ہے وہ صرف زبانی کلمہ پڑھ لینے سے پورا نہیں ہوتا، بلکہ اس وقت پورا ہوتا ہے جب زبان سے جو بات کہہ رہے ہو وہ بات دل میں بھی یقین کے ساتھ جاگزین ہو، مثلاً اگر زبان سے تو یہ کہہ رہے ہو کہ "محمد رسول اللہ" کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، لیکن دل میں۔ العیاذ باللہ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جذبہ نہیں ہے کہ ہم آپ کا حکم مانیں گے، اور آپ کی تعلیمات پر عمل کریں گے۔ یا مثلاً زبان سے تو یہ کہہ رہے ہو کہ "لا الہ الا اللہ" اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جس کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی

اطاعت نہ کی جائے، اور عملاً تم دوسروں کی اطاعت کرتے پھر رہے ہو تو محض زبانی کلمہ پڑھ لینے سے اللہ تعالیٰ کی نظر میں تم مؤمن نہیں ہو سکتے۔

سلوک مسلمانوں جیسا ہوگا

دیکھئے! جہاں تک دنیا میں کسی کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ کرنا ہے، تو اس کے بارے میں ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ تم دلوں کو کرید کر نہیں دیکھ سکتے کہ ان کے دلوں میں کیا ہے؟ لہٰذا ہمیں تو یہ حکم ہے کہ اگر کوئی شخص کلمہ پڑھ لیتا ہے، اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، اور بظاہر اس کے عقائد میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی، تو اس صورت میں ہم اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کریں گے۔ جیسا کہ آپ نے سنا ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافقین کی بہت بڑی تعداد تھی، جو زبان سے اسلام لے آئے تھے، لیکن حقیقت میں ایمان نہیں لائے تھے، دل میں ایمان نہیں تھا، اسی لئے وہ طرح طرح کی سازشیں اسلام کے خلاف کرتے رہتے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے، وہ لوگ زبان سے مسلمان تھے، دل سے مسلمان نہیں تھے، ان کو منافقین کہا جاتا ہے۔

ایسا اسلام قبول نہیں

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اگرچہ یہ دل سے مؤمن نہیں، لیکن چونکہ زبان سے کلمہ پڑھ رہے ہیں اور زبان سے اقرار کر رہے ہیں، لہٰذا تم ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کرو، چنانچہ جب ان میں سے کوئی مر جاتا تو صحابہ کرام اس کی نماز جنازہ بھی پڑھتے تھے، اور جب کوئی ملتا تو سلام کرتے

اوران کے سلام کا جواب دیتے، ان کے اسلامی حقوق ادا کرتے تھے، لیکن قرآن کریم اس بیان سے بھرا ہوا ہے کہ یہ منافقین جہنم میں جائیں گے۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ. (سورۃ ال عمران:۱٤٥) یعنی منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔ بہرحال! دنیاوی احکام کے اعتبار سے اگرچہ ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کیا جارہا ہو، لیکن آخرت کے احکام کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ان کا ایمان ہمارے نزدیک معتبر نہیں، کیونکہ یہ سب زبانی جمع خرچ ہے، ان کے دل کے اندر ایمان موجود نہیں، لہٰذا آخرت میں ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک ہوگا، جیسے کافروں کے ساتھ ہوتا ہے۔

دل میں ایمان نہ ہونے کی دلیل

بہرحال! ان آیات میں ان اعرابیوں سے یہ کہا جارہا ہے کہ تم حقیقت میں ایمان نہیں لائے ہو، اگرچہ تم نے زبان سے اقرار ضرور کرلیا ہے، لیکن ابھی تک تمہارے دل میں ایمان داخل نہیں ہوا ہے، دلیل اس کی یہ ہے کہ تم اسلام لانے کے بعد یہ مطالبات کرتے ہو کہ چونکہ ہم مسلمان ہوگئے ہیں، لاؤ ہمیں اتنے پیسے دو، لاؤ ہمیں فلاں سہولت مہیا کرو، فلاں فائدہ ہمیں پہنچنا چاہئے، اور اگر وہ فائدہ تمہیں نہیں پہنچتا تو کہتے ہو کہ ہمارے اسلام لانے کا تو کوئی فائدہ ہی نہیں ہوا، جس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے بظاہر جو اسلام قبو کیا ہے وہ اس لئے قبول کیا ہے کہ اس کے ذریعہ دنیا کا کوئی فائدہ حاصل کرنا چاہتے تھے، اللہ کو راضی کرنا پیش نظر نہیں تھا، اگر اللہ کو راضی کرنا پیش نظر ہوتا تو یہ باتیں نہ کرتے کہ اسلام لانے سے کیا فائدہ ہوا؟

اسلام کے بعد ظلم وستم کا سامنا

جب انسان ایمان لاتا ہے تو اس وجہ سے لاتا ہے کہ ایک حقیقت کو تسلیم کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاتا ہے۔ دنیاوی اعتبار سے اس کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے یا نہیں پہنچتا؟ اس کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں۔ دیکھئے! کتنے مسلمان ایسے ہیں جو ایمان لائے، لیکن ایمان لانے کے بعد نہ صرف یہ کہ ان کو دنیاوی فائدہ نہیں ہوا، بلکہ ان کو بڑے ظلم وستم کا سامنا کرنا پڑا، ان کو پتھروں پر لٹایا جا رہا ہے، ان کو کوڑے مارے جا رہے ہیں، ان کا کھانا پینا بند کیا جا رہا ہے، یہ ساری باتیں ایمان لانے والوں کے ساتھ ہوئیں، لیکن ان سب باتوں کے باوجود ان کے ایمان میں اور وقت پیدا ہوتی چلی گئی، یہ وہ لوگ تھے جو صحیح معنی میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تھے۔ اور تم ایمان لانے کے بعد جو یہ کہہ رہے ہو کہ ہمیں فائدہ نہیں پہنچا، تو بات دراصل یہ ہے کہ تمہارے ذہنوں میں تو دنیاوی فائدے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی ایمان تمہارے دلوں کے اندر نہیں ہے، بس دنیاوی مفادات کی خاطر تم نے کلمہ پڑھ لیا ہے۔

دین پر چلنے سے ابتداءً آزمائش آتی ہے

ایک اور جگہ قرآن کریم نے اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے، بہت سے لوگوں کے دلوں مین بعض اوقات اس قسم کے خیالات آنا شروع ہو جاتے ہیں، جب وہ لوگ دین کی طرف اور اسلامی احکام پر عمل کرنا شروع کرتے ہیں، تو بعض اوقات ان پر کچھ آزمائشیں آتی ہیں، کبھی کوئی پریشانی کھڑی ہوگئی، کوئی بیماری آگئی، روزگار

چھوٹ گیا، آمدنی میں کمی ہوگئی، آدمی مقروض ہوگیا وغیرہ، یہ آزمائشیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہیں، کسی پر کسی قسم کی آزمائش، کسی پر کسی قسم کی آزمائش، ان آزمائشوں کی وجہ سے یہ سمجھنا کہ چونکہ میں دین کی طرف چلا تھا تو دین پر چلنے کے نتیجے میں یہ پریشانیاں میرے اوپر آئی ہیں۔ یاد رکھئے! یہ شیطان کا دھوکہ ہے، ان پریشانیوں کی وجہ سے دین برگشتہ ہونے کا کوئی جواز نہیں، بلکہ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ سے رجوع کرو، اور اللہ تعالیٰ سے مانگو، یا اللہ! مجھے یہ پریشانی آگئی ہے، اپنی رحمت سے دور فرمادیجئے، لیکن اس کی وجہ سے دین سے برگشتہ ہوجانا بڑی ناحقیقت شناسی کی بات ہے۔

کنارے پر کھڑے ہوکر عبادت کرنے والے

ایک اور جگہ پر قرآن کریم نے ارشاد فرمایا کہ:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةَ ۭ

(سورۃ الحج: ۱۱)

فرمایا کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت ایک کنارے پر کھڑے ہوکر کرتے ہیں، کنارے پر کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کی عبادت کرنے کے نتیجے میں اس کو کوئی دنیاوی فائدہ حاصل ہوگیا تب تو وہ مطمئن ہیں کہ اچھا ہوا کہ ہم مسلمان ہوگئے، اور اللہ کی عبادت شروع کردی، کیونکہ دنیاوی فائدہ ہمیں حاصل ہوگیا۔ لیکن اگر اسلام لانے اور اللہ کی عبادت کرنے کے نتیجے میں کوئی فتنہ یا آزمائش پیش آجائے تو وہ لوگ الٹے منہ واپس چلے جاتے ہیں کہ اسلام لانا اور عبادت کرنا ہمیں موافق نہیں آیا، اس لئے کہ اس کی وجہ سے مجھے

دنیاوی نقصانات پیش آگئے، اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ ایسے لوگ دنیا میں بھی خسارے میں ہیں، اور آخرت میں بھی خسارے میں ہوں گے۔ بہرحال! اللہ تعالیٰ کی کوئی اطاعت اور عبادت اس وجہ سے نہ کرو کہ اس کا کوئی دنیاوی فائدہ حاصل ہوگا، اگر اللہ تعالیٰ کوئی دنیاوی فائدہ دیدے یہ اس کا کرم ہے، لیکن تم جو کوئی عبادت کرو، وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کرو، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کرو، دنیاوی فائدے کے لئے مت کرو، ایک سبق تو اس آیت کریمہ نے یہ دیا۔

ایمان لانے کا تقاضہ

دوسرا سبق اس آیت نے یہ دیا کہ:

"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ" (سورۃ الحجرات: ۱۵)

یعنی صحیح معنوں میں مؤمن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے بعد پھر کسی شک وشبہ میں نہیں پڑتے چونکہ مجھے اسلام لانے کے بعد نقصان ہوگیا اس لئے مجھے شک ہوگیا کہ اسلام برحق ہے یا نہیں، بلکہ ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ اپنی جان سے بھی اور اپنے مال کے ذریعہ بھی اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں، اور جہاد کے معنی ہیں کوشش اور جدوجہد، جس طرح بھی ممکن ہو، اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ ایمان لانے کے بعد ایک تقاضہ ایمان کا یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے جان ومال سے اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے جدوجہد کرے۔

اسلام لانے اور نیک عمل کرنے پر احسان نہ جتلاؤ

اور تیسرا اور آخری سبق جو ان آیات کریمہ نے دیا ہے وہ یہ کہ اگر کوئی صحیح معنی میں بھی ایمان لائے تو اپنے اسلام لانے کا کسی پر احسان نہ جتلائے، اور جو حکم اسلام لانے کا ہے وہی حکم ہر نیک کام کرنے کا ہے، جو نیک کام کرو، وہ اللہ کے لئے کرو، اپنی آخرت سنوارنے کے لئے کرو، ثواب حاصل کرنے کے لئے کرو، اور اس کام کا کسی پر احسان نہ جتلاؤ کہ میں نے یہ کر دیا، احسان جتلانے سے اس نیکی کے برباد ہونے کا اندیشہ ہے۔ دیکھئے! قرآن کریم میں صدقہ کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے، لیکن باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ صدقہ قابل قبول ہے جو کچھ تم نے صدقہ میں پیسے خرچ کئے ہیں، اس کے بعد کسی پر احسان نہ جتلائیں، اور کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں، تب وہ صدقہ مقبول ہے، لیکن اگر صدقہ بھی کیا، اور ساتھ میں احسان بھی جتاتے رہے کہ میں یہ کرتا ہوں، میں یہ کرتا ہوں، ارے تم کیا احسان جتاتے ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان مانو کہ اس نے تمہیں اس نیک عمل کی توفیق دیدی، اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق نہ ہوتی تو اس نیک عمل سے محروم رہتے، لہٰذا چاہے تم نے کتنی بڑی نیکی کر لی ہو، کتنا بڑا کارنامہ انجام دیدیا ہو، لیکن اس کا احسان اللہ پر اور اللہ کے رسول پر اور مسلمانوں پر نہ جتلاؤ، بلکہ شکر ادا کرو کہ اے اللہ! آپ کا فضل و کرم ہے کہ آپ نے اپنے فضل سے مجھے اس عمل کی توفیق عطا فرمادی، لہٰذا احسان جتلانے کا کوئی موقع نہیں۔

خلاصہ

بہر حال! ان آیات کے ذریعہ یہ سبق یہ دیا جارہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی

نیک عمل کی توفیق عطا فرمادے، اس کو اللہ کا کرم سمجھو، اور اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرو، یہ نہ کہو کہ میں نے یہ کام کیا ہے، اور اس پر احسان جتاتے پھرو، یہ تین سبق ہیں جو ان آیات کریمہ نے عطا فرمائے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو اس کی سمجھ عطا فرمائے، اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین

اعتدال

کے ساتھ زندگی گزاریں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعتدال کے ساتھ زندگی گزاریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَاوَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ! عن عبد اللّٰہ بن عمرو رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال: ان النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم ذکر لہ صوم، فدخل علّی۔ فالقیت لہ وسادۃ من ادم حشوھا لیف، فجلس علی الارض و صارت الوسادۃ بینی و بینہ، فقال لی: اما یکفیک من کل شھر ثلثۃ ایام؟ قال: خمسًا، قلت: یا رسول اللّٰہ، احدی عشر۔ قال لا الخ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ ایک طویل حدیث ہے، اس میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ بیان فرمارہے ہیں، یہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے ہیں،

اور جلیل القدر صحابہ کرام میں سے ہیں، یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی جو روایت نقل کی ہے، اس میں اختصار ہے، دوسری روایتوں میں ذرا تفصیل آئی ہے، وہ تفصیل یہ ہے کہ ان کے والد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا نکاح ایک بڑی شریف خاتون سے کر دیا تھا، جن کی شرافت بھی مشہور و معروف تھی، اور وہ بڑے اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں، جب نکاح ہوگیا، اور کچھ دن گزر گئے تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ ان کی بہو اپنے شوہر سے خوش ہے یا نہیں، وہ یہ دیکھتے رہتے تھے کہ بہو کس حالت میں ہے، ایک دن انہوں نے اپنی بہو سے پوچھا کہ تم اتنے دن سے میرے بیٹے کے ساتھ رہ رہی ہو، تم نے میرے بیٹے کو کیسا پایا؟ تمہارے ساتھ اس کا برتاؤ کیسا ہے؟ تعلقات کیسے ہیں؟ وہ شریف خاتون تھیں، انہوں نے جواب میں کہا کہ آپ کے صاحبزادے عبد اللہ بن عمرو بڑے ہی بہترین آدمی ہیں، بہت نیک ہیں، اتنے نیک ہیں کہ جب سے میں ان کے گھر میں آئی ہوں ان کو دیکھتی ہوں کہ وہ سارا دن روزے سے رہتے ہیں، اور جب رات کو گھر میں آتے ہیں تو نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور اس پورے عرصے میں وہ اپنی عبادت میں اس درجہ مشغول ہیں کہ ان کو ہمارے بستر پر آنے کی فرصت نہیں۔ اس طرح ان خاتون نے ان کی نیکی اور تقوی کی تعریف کی، لیکن ساتھ ساتھ ضمناً حقیقت حال بیان کر دی کہ وہ عبادت میں اتنے مشغول ہیں کہ ان کو ہماری طرف توجہ دینے کی فرصت نہیں۔

بیٹے کو نصیحت

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب پتہ چلا تو ان کو تشویش ہوئی، انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر سمجھایا کہ ایسا کرنا

مناسب نہیں ہے، جب گھر میں بیوی موجود ہے تو اس کا بھی حق ہے کہ کچھ وقت اس کے ساتھ گزارا جائے، تمہارا یہ طرز عمل کہ سارا دن روزے سے رہو، اور ساری رات عبادت میں کھڑے ہو، یہ اعتدال سے نکلا ہوا ہے، اس کو ٹھیک کرو۔

صحابہ کرام کا حال

لیکن حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک غلبہ حال کی کیفیت طاری تھی، اس زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں بکثرت لوگوں کا یہ حال تھا، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں بیٹھنے کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی تھی، اور آخرت کی فکر بڑھتی تھی، ہر انسان اس فکر میں رہتا تھا کہ میری آخرت کس طرح درست ہو؟ دنیا میں رہتے ہوئے ایسے اعمال کر جاؤں کہ جب مروں تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ کر اس کی رضامندی حاصل ہو سکے، ہر شخص اس فکر میں تھا، صحابہ کرام بار بار ازواج مطہرات سے جا کر یہ پوچھتے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں تشریف لاتے ہیں تو کیا کرتے ہیں؟ ان کا خیال یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں تشریف لے جاتے ہوں گے تو غیر معمولی عبادت کرتے ہوں گے، رات بھر عبادت میں مشغول رہتے ہوں گے، اگر اس عبادت کی تفصیل معلوم ہو تو ہم بھی اسی طرح عبادت کریں، ازواج مطہرات نے صحابہ کرام کو بتایا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لاتے ہیں تو آپ گھر میں اسی طرح رہتے ہیں جس طرح تم اپنی بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہو، آپ ہمارے گھر کے کاموں میں ہمارا ہاتھ بٹاتے ہیں، ہماری دلجوئی

اور خوش طبعی کی باتیں بھی کرتے ہیں، اور عبادت بھی کرتے ہیں۔

ہم کہاں حضور کہاں

جو صحابہ یہ سوال کر رہے تھے انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اصل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ تو اور ہے، اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے بارے میں یہ اعلان فرما دیا ہے کہ "قَدْ غَفَرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا تَأَخَّرَ" اول تو آپ سے کوئی گناہ سرزد ہو ہی نہیں سکتا، اگر کوئی بھول چوک ہو بھی جائے تو اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا ہے کہ آپ کی اگلی پچھلی سب بھول چوک معاف ہیں، اس وجہ سے اگر آپ زیادہ عبادت نہ کریں تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن ہم تو آپ کی برابری نہیں کر سکتے، ہم نہ تو گناہوں سے معصوم ہیں، اور نہ ہماری مغفرت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے، لہٰذا ہمیں تو زیادہ سے زیادہ عبادت میں لگا رہنا چاہئے، چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا میں تو ساری رات عبادت کے لئے کھڑا رہوں گا، دوسرے نے کہا کہ میں مسلسل روزے رکھوں گا، کبھی افطار نہیں کروں گا، تیسرے نے کہا کہ میں کبھی نکاح نہیں کروں گا، بغیر نکاح کے تنہا زندگی گزاروں گا۔

غلبہ حال کی کیفیت

بہر حال! حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس فکر میں تھے کہ کسی طرح اس دنیا کو آخرت کا ذریعہ بنالوں، اور دنیا کے اندر جو لمحات زندگی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں، ان کو غنیمت سمجھ کر ان کو اللہ کی عبادت میں خرچ کرلوں، یہ فکر ایسی دامن گیر تھی کہ ان پر غلبہ حال کی کیفیت طاری ہوگئی، ان کے والد حضرت عمرو

بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو سمجھایا، تھوڑا بہت ان پر اثر ہوا، لیکن پھر وہی حالت شروع ہوگئی، کہ دن بھر روزے سے رہتے، اور رات بھر اللہ کی عبادت میں کھڑے ہوتے۔

حضور ﷺ کا خود تشریف لے جانا

جب حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قابو میں نہ آئے تو انہوں نے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سارا ماجرا بیان فرمایا کہ میرے بیٹے کا معاملہ یہ ہے، وہ دن رات عبادت میں لگا ہوا ہے، اس کی بیوی شکوہ تو نہیں کرتی، لیکن اس کے حقوق ادا نہیں ہورہے ہیں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع ملی تو آپ خود حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے، اب ایک صورت یہ بھی ہوسکتی تھی کہ آپ ان کو اپنے پاس بلا لیتے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم دیکھئے کہ بلانے کے بجائے خود ان کے گھر تشریف لے گئے، جب حضرت عبداللہ عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے ہیں تو اس واقعہ کو وہ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے بیٹھنے کے لئے تکیہ پیش کیا، جو چمڑے کا تھا، اور اس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، تاکہ آپ اس پر ٹیک لگا کر تشریف فرما ہوں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم زمین ہی پر بیٹھ گئے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تکیہ درمیان میں رکھ لیا، اس طرح کہ وہ تکیہ میرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حائل ہوگیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تکیہ کو واپس تو نہیں کیا، لیکن اس وقت حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو استعمال کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی، اس لئے اس تکیہ کو درمیان میں رکھ کر بات کرنی شروع کر دی۔

مہمان کا اکرام کریں

یہاں آداب مجلس کی بات چل رہی تھی کہ کس طرح انسان کو بیٹھنا چاہئے اور کس طرح اٹھنا چاہئے، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان کرنے کے لئے اس روایت کو یہاں لائے ہیں، کہ جب کوئی مہمان تمہارے پاس آئے تو اس کے اعزاز واکرام کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ اس کو ایک اچھی نشست پیش کی جائے، اس کو تکیہ وغیرہ پیش کرے، یہ ایک آنے والے مہمان کا حق ہے، خاص طور پر اگر مہمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، یا آپ کا کوئی وارث ہو (یعنی عالم ہو) تو اس کا اور زیادہ اکرام کرنا چاہئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کرنے کا انداز

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہو گئے تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عبد اللہ! کیا تمہارے لئے ایک مہینے میں تین روزے رکھنا کافی نہیں ہے؟ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی تھی ہر ماہ کے ایام بیض میں یعنی ۱۳/۱۴/ اور ۱۵/ تاریخ کو آپ روزہ رکھا کرتے تھے، چونکہ ہر روزہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دس گناہ ثواب رکھتا ہے، لہٰذا اگر آدمی ایک مہینے میں تین روزے رکھ لے تو اس کو تیس روزوں کا ثواب ملے گا، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبد اللہ! کیا تمہارے لئے تین روزے کافی نہیں

ہیں؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! بس میں نے اتنے الفاظ کہے اور اس کے ذریعہ میں نے التجاء کی کہ یا رسول اللہ! میرے روزے اتنے کم نہ کیجئے، میرے روزوں میں کچھ اضافہ کردیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا پانچ روزے رکھ لیا کرو، میں نے کہا یا رسول اللہ! یعنی پھر التجاء کی کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، میرے لئے اور زیادہ بڑھا دیجئے، تو پھر آپ نے ان کے لئے اور بڑھا دے، یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: لَا صَوْمَ فَوْقَ صَوْمِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ. یعنی کوئی روزہ حضرت داؤد علیہ السلام کے روزوں سے زیادہ افضل نہیں ہوسکتا، حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ یہ تھا کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے، اور ایک دن افطار کرتے تھے، اور ساری عمر آپ نے اسی طرح گزاردی، اس لئے آپ نے فرمایا کہ روزہ رکھنا ہے تو بس اسی طرح رکھو، اس سے زیادہ روزے رکھنا ٹھیک نہیں، اس پر حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ راضی ہوگئے۔

جان کا بھی حق ہے

اس موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

يَا عَبْدَ اللّٰهِ! إِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا.

اے عبداللہ! تمہاری جان کا بھی تم پر کچھ حق ہے، اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے آنکھ کا بھی تم پر حق ہے۔ بعض روایتوں میں یہ آیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تمہارے مہمانوں کا بھی تم پر حق ہے۔

یہ جان اور جسم امانت ہیں

اللہ تعالیٰ نے یہ جو تمہیں جان دی ہے، اور یہ نفس جو تمہیں عطا فرمایا ہے، اس کا بھی تم پر حق ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت گہری بات بیان فرمائی ہے، اس سے اس بات کی طرف متنبہ فرمادیا کہ تمہاری یہ جان اور تمہارا یہ وجود اس کو تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ تمہارا ہے؟ تم اس کے مالک ہو؟ ایسا نہیں، بلکہ حقیقت میں تمہارا یہ سارا وجود تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہے، تم اس کے مالک اور مختار نہیں ہو، اور اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ آنکھ میری ہے، یہ کان میرے ہیں، یہ ہاتھ میرے ہیں، یہ پاؤں میرے ہیں اس حد تک تو سمجھنا درست ہے کہ بیشک یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں جائز استعمال کے لئے عطا فرما رکھی ہیں، لیکن جہاں تک ملکیت کا تعلق ہے، تو یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمہیں امانت کے طور پر دی ہیں، اور جب امانت کے طور پر دی ہیں کہ اس امانت کا تمہارے اوپر حق ہے کہ اس کا خیال رکھو، اور اس کو ہلاک نہ ہونے دو، بلا وجہ اس سے بے پروائی برت کر اس کا نقصان نہ ہونے دو۔

خودکشی کرنا کیوں حرام ہے؟

اسی وجہ سے خودکشی حرام قرار دی گئی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو خود ہلاکت میں ڈال دے، اس کو اس لئے حرام قرار دیا گیا ہے کہ یہ جان جو تمہیں دی گئی ہے یہ تمہاری نہیں ہے، یہ اللہ جل جلالہ کی عطا ہے، اس کی امانت ہے، اور جب اس کی امانت ہے تو اس امانت کا دھیان سے، فکر سے، اہتمام سے اس کو جائز کاموں میں

استعمال کرنا ہے، ناجائز کاموں میں استعمال نہیں کرنا ہے، بلکہ ناجائز کاموں سے اس کو بچانا ہے، حرام کاموں سے بچانا ہے، اور جائز کاموں میں اس کو اس طرح استعمال کرنا ہے جس سے اس کا حق ادا ہو جائے، جب یہ بات ہے تو کھانا کھانا بھی تمہاری جان کا حق ہے، پینا بھی تمہاری جان کا حق ہے، بقدر ضرورت سونا بھی تمہاری جان کا حق ہے، اگر اس جان کے حقوق ادا نہیں کرو گے، نہ اس کو کھلاؤ گے، نہ اس کو پلاؤ گے، اور بقدر ضرورت اس کو سونے نہیں دو گے تو پھر اس امانت میں تم ناجائز تصرف کرنے والے ہو جاؤ گے۔

کھانا، پینا اور سونا باعث اجر ہوگا

اس سے معلوم ہوا کہ انسان جتنے کام بھی اپنے جسم کے علاج کے لئے، اس کو غذا پہنچانے کے لئے اور اس کو آرام پہنچانے کے لئے کرتا ہے، اس میں اگر آدمی یہ نیت کر لے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جان مجھے امانت کے طور پر عطا فرمائی ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً یہ فرمایا ہے کہ تمہاری اس جان کا تم پر حق ہے تو جو کچھ میں کھا رہا ہوں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تعمیل میں کھا رہا ہوں، اگر میں پی رہا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں پی رہا ہوں، اگر میں سو رہا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تعمیل میں سو رہا ہوں، اور اگر میں جسم کو کوئی آرام پہنچا رہا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں پہنچا رہا ہوں کہ یہ جسم میرے پاس اللہ کی امانت ہے، اگر انسان ہر عمل کے اندر یہ نیت کر لے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ یہ سارے اعمال یعنی کھانا بھی، پینا بھی،

سونا بھی، آرام پہنچانا بھی اجر وثواب کا سبب بن جائیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔

زندگی کا ہر عمل باعث اجر بنالو

اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ صبح سے لے کر شام تک کی زندگی میں کوئی عمل ایسا نہیں ہے جس کو انسان حسن نیت سے عبادت نہ بنا سکے، اور اس کو ثواب کا کام نہ بنا سکے، تم جتنے کام بھی کر رہے ہو، ان میں یہ نیت کرو کہ یہ جان اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اس امانت کا حق ادا کرنے کے لئے میں یہ کام کر رہا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ کام اجر وثواب کا سبب بن جائے گا۔ اس لئے فرمایا کہ تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے، یہ مت سمجھنا کہ میں نے اگر عبادت ادا کرنے کے لئے اس جان کو بہت زیادہ مشقت میں ڈالا تو مجھے اس پر ثواب بھی زیادہ ملے گا، ایسا نہیں ہے، بلکہ اس جان کا حق یہ ہے کہ تم اس کو آرام بھی دو۔

بیوی کا حق ادا کرو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے، اگر اس آنکھ کو تم آرام نہیں دو گے تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ تھک جائے گی، اور بالآخر وہ کام کرنا چھوڑ دے گی۔ فرمایا کہ تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، جب تم اس کے ساتھ نکاح کر کے اس کو اپنے گھر لائے ہو تو اس کا حق ہے کہ تم کچھ وقت اس کو دو، نفلی عبادت میں مشغول ہو کر اس کے حق کو تلف مت کرو۔

کاش میں نے رخصت پر عمل کرلیا ہوتا

بہر حال! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اعتدال کی تعلیم دی، چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ بعد میں حضرت عبداللہ عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اصرار کرکر کے زیادہ روزے رکھنے کی اجازت لے لی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان سے فرمایا کہ تین دن روزے رکھا کرو، انہوں نے کہا کہ اور زیادہ کی اجازت دیدیجئے، یہاں تک کہ آپ نے اس کی اجازت دیدی کہ ایک دن روزہ رکھا کرو، اور ایک دن افطار کیا کرو۔ بعد میں جب بوڑھے ہو گئے تو اس وقت کا اپنا واقعہ سنا رہے ہیں کہ اس وقت تو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اصرار کرکر کے زیادہ روزے رکھنے کی اجازت تو لے لی، لیکن اب مجھے خیال ہوتا ہے کہ جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی کہ مہینے میں تین دن روزے رکھا کرو، کاش کہ میں نے اس بات پر عمل کرلیا ہوتا، اور میں نے اپنے آپ پر اتنی مشقت نہ ڈالی ہوتی، اس لئے کہ جب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ اقرار کرلیا کہ ایک دن روزہ رکھوں گا، اور ایک دن افطار کروں گا، تو اب ساری عمر کے لئے میرا یہ معمول بن گیا، اور اب میں بوڑھا ہوگیا ہوں، اور بوڑھا ہونے کی وجہ سے ہر دوسرے دن روزہ رکھنا میرے لئے دشوار ہو رہا ہے، لیکن میں اس لئے روزہ نہیں چھوڑتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میں نے وعدہ کرلیا تھا کہ ایک دن چھوڑ کے دوسرے دن روزہ رکھوں گا، تو اب اگر میں روزہ چھوڑتا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی ہوگی، کاش کہ میں

نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی رخصت پر عمل کرلیا ہوتا۔

تھوڑا معمول بناؤ، لیکن اسکی پابندی کرو

اس کے ذریعہ وہ ہمیں یہ سبق دے رہے ہیں کہ جب کوئی بڑا تمہیں کوئی آسانی کا راستہ بتائے تو اس کے سامنے بہادری کا مظاہرہ کرنا کوئی اچھی بات نہیں، ارے کیا انسان اور انسان کی بہادری، ذرا دیر میں ساری بہادری دھری رہ جاتی ہے، ذرا بوڑھا ہو جائے، ذرا بیمار ہو جائے۔ لہٰذا بزرگوں نے فرمایا کہ جو بھی معمول اختیار کرو، یہ سوچ کر اختیار کرو کہ ساری زندگی اس معمول کو نبھانا ہے، وہ معمول تھوڑا ہو، لیکن پابندی کے ساتھ ہو، یہ اس سے بہتر ہے کہ ابتداء میں جوش میں آکر بہت زیادہ شروع کر دیا، لیکن بعد میں ایسے ڈھیلے پڑے کہ سب معمولات جاتے رہے، ایسا کرنا صحیح طریقے کے خلاف ہے، اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ معمول تھوڑا بناؤ، لیکن اس پر پابندی کرو۔ حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "خیر العمل ما دیم علیہ و ان قل" "بہتر عمل وہ ہے جس کی پابندی ہو، چاہے وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ زیادہ اختیار کر کے پھر چھوڑ دینا مناسب نہیں، اسی لئے ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اقرؤا القرآن ما ائتلفت قلوبکم" "قرآن کریم کی تلاوت اس وقت تک کرو جب تک تمہارا دل لگا رہے۔ یہ نہ ہو کہ ایک وقت میں تو ایک رات میں پورا قرآن کریم ختم کرلیا، پھر سارے سال میں قرآن کریم کھول کر بھی نہیں دیکھا۔ بہرحال! اعتدال ہونا چاہئے، اعتدال کا مطلب یہ ہے کہ نفلی عبادات ہر انسان کو ضرور کرنی چاہئے۔

نوافل محبت کا حق ہیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ فرائض وواجبات تو اللہ جل شانہ کی عظمت کا حق ہیں، اللہ تعالیٰ نے حاکم بن کر ہم پر لازم کر دیا کہ پانچ وقت کی نماز پڑھا کرو، رمضان کے روزے رکھا کرو، زکوٰۃ ادا کیا کرو، حج کیا کرو، یہ سارے احکام ایک حاکم کے طور پر اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں، لہٰذا آپ کی عظمت کا حق یہ ہے کہ اس کے آگے آدمی سر تسلیم خم کرے، اور یہ احکام بجالائے۔ اور نوافل و مستحبات باری تعالیٰ کی محبت کا حق ہیں، کیا اللہ تعالیٰ سے اتنا ہی قانونی تعلق رکھو گے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے فرض کر دی، بس وہی انجام دیں گے، اور باقی کوئی نفلی اور مستحب کام نہیں کریں گے تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بڑا خشک اور کھردرا تعلق ہوگا۔

بیوی اور شوہر کا تعلق

دیکھئے! شوہر اور بیوی کے درمیان تعلق ہوتے ہیں، کچھ تو اس تعلق کے قانونی حقوق ہوتے ہیں، مثلاً شوہر کے ذمہ واجب ہے کہ وہ بیوی کا نفقہ دے، یہ اس کا قانونی حق ہے، لیکن اگر کوئی شوہر صرف اس قانونی حق پر اکتفا کرے، اور بیوی کو اچھا اچھا کھانا صبح شام کھلائے، لیکن وہ شوہر بیوی سے نہ بات چیت کرے، اور نہ کوئی دلجوئی کا کام کرے، تو یہ خشک قانونی تعلق ہوا، جس میں کوئی خوش گواری نہیں، کوئی لطف نہیں، اگر خوشگوار تعلق رکھنے ہیں تو پھر قانون سے آگے بڑھ کر اپنی محبت کا اظہار بھی کرے گا، اور محبت کے تقاضے سے بہت سے کام کرے گا۔

اسی طرح اللہ جل شانہ کے ساتھ اگر تم نے صرف قانونی تعلق رکھا کہ صرف فرائض و واجبات ادا کر لئے، باقی نہ نوافل ہیں، نہ مستحبات ہیں، نہ فضائل اعمال کی طرف توجہ ہے، تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خشک تعلق ہوا، اس لئے کہ یہ نوافل و مستحبات باری تعالیٰ کی محبت کا حق ہیں، یہ سوچا کرو کہ جس ذات نے مجھے پیدا کیا، جس ذات نے مجھے نوازا، جس ذات کی نعمتوں کی بارش ہر آن میرے اوپر برس رہی ہے، کیا میں اس کے لئے صرف واجبات و فرائض پر اکتفاء کروں؟ نہیں، یہ ایک بندے کا کام نہیں، محبت کرنے والے بندے کا کام یہ ہے کہ اس کی بارگاہ میں نفلی عبادات اور مستحبات کے تحفے بھی پیش کرے، نفلی عبادات اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق ہیں، لہٰذا نفلی عبادات کو معمولی مت سمجھو، بلکہ نفلی عبادات کا اہتمام ہونا چاہئے، معمولات میں فرائض و واجبات کے علاوہ نفلی عبادات بھی ہونی چاہئیں، نفلی نمازیں، جیسے تہجد، اشراق، چاشت، اوابین، تحیۃ الوضوء، تحیۃ المسجد، یہ سب نوافل واجب تو نہیں ہیں، لیکن باری تعالیٰ کی محبت کا حق ہے کہ بندہ ان کو بجالائے، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ادا کرنے کی ترغیب دی۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمنا

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا واقعہ سناتے ہیں کہ میں یہ دیکھتا تھا کہ فجر کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہوتے تو مختلف صحابہ کرام آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا خواب بیان کرتے کہ حضور! میں نے آج رات یہ خواب دیکھا،

حضور! میں نے آج رات یہ خواب دیکھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات اس کی تعبیر بھی بیان فرما دیتے، اگر اس خواب میں کوئی بشارت ہوتی تو اس بشارت پر مطلع فرمایا کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا معاملہ یہ تھا کہ جب میں سوتا تو مجھے کوئی خواب ہی نظر نہ آتا، اس لئے میرے دل میں تمنا تھی کہ کاش! مجھے بھی کوئی اچھا سا خواب نظر آئے، اور جیسے دوسرے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنا اپنا خواب بیان کرتے ہیں، میں بھی حضور کی خدمت میں اپنا خواب بیان کروں، اور آپ اس کی کوئی تعبیر دیں، میرے دل میں اس کی بہت تمنا تھی۔

خواب اور اس کی تعبیر

ایک دن اللہ تعالیٰ نے یہ خواہش اور تمنا پوری کردی، ایک رات کو جب میں سویا تو میں نے ایک خواب دیکھا، جو بڑا اچھا خواب تھا، وہ یہ کہ دو آدمیوں نے مجھے اوپر آسمان کی طرف اٹھالیا، لمبا چوڑا سا خواب دیکھا، فجر کی نماز کے بعد سوچا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب بیان کروں، مگر مجھے کچھ حجاب سا ہو رہا تھا، تو میں نے اپنی بہن حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے وہ خواب ذکر کیا، جو ام المؤمنین تھیں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں، اور ان سے کہا کہ تم یہ خواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کر کے اس کی تعبیر معلوم کرو، انہوں نے وہ خواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کردیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ خواب سن کر فرمایا: نعم الرجل عبد اللہ لو کان یقوم من اللیل، یعنی حضرت عبداللہ

بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے اچھے آدمی ہیں، کاش کہ وہ رات کے وقت نماز پڑھا کرتے۔ اس جملے میں ان کی تعریف بھی کردی، اور ساتھ میں یہ پیغام دیدیا کہ وہ رات میں نماز پڑھا کریں تو ان کے لئے زیادہ خوبی کی بات ہے، جب حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تو انہوں نے اپنے بھائی سے کہہ دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں یہ جملہ فرمایا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بس اسی دن سے میں نے عہد کرلیا کہ زندگی بھر رات کی نماز نہیں چھوڑوں گا، پھر ساری زندگی رات کی نماز نہیں چھوڑی، اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو نوافل کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

ایک طرف تو نوافل کی اہمیت نہیں

بہر حال ایک طرف بے اعتدالی یہ ہوتی ہے کہ نوافل اور فضائل اعمال کی طرف دھیان نہیں، اس کی اہمیت دل میں نہیں، خاص طور پر جب آدمی اصول فقہ میں یہ پڑھ لیتا ہے کہ مستحب اور نوافل اس کو کہتے ہیں کہ اگر کرلیں تو ثواب ہے، اور نہ کریں تو کوئی گناہ نہیں، تو اب دماغ میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ اس کے نہ پڑھنے پر کوئی پکڑ اور گناہ تو ہے نہیں، لہٰذا اس کو چھوڑ دو، کرنے کی کیا ضرورت ہے، بعض اوقات کسی بات کا علم الٹا اثر کرجاتا ہے، نقصان پہنچا دیتا ہے، جبکہ ایک عام آدمی نے تو یہ سن رکھا ہے کہ عشاء کی نماز کی سترہ رکعتیں ہوتی ہیں، اس کی کوشش ہوگی کہ وہ یہ سترہ رکعتیں پوری کرے، لیکن جب یہ پتہ چل گیا کہ عشاء کی سترہ رکعتوں میں سے اتنی رکعتیں فرض ہیں، اتنی سنت، اور اتنی مستحب ہیں، اور مستحب ہونے کا

مطلب یہ ہے کہ پڑھو تو ثواب ہے، اور نہ پڑھو تو کوئی گناہ نہیں، تو اب اس معلوم ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مستحبات اور نوافل کو چھوڑ دیا، تو بعض اوقات کسی چیز کا علم ہونا بھی نقصان پہنچا دیتا ہے۔

اذان کا جواب دینا

بہر حال ایک طرف تو یہ انتہاء ہے کہ نوافل اور مستحبات کی کوئی اہمیت نہیں ہے، ان کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے، ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک صاحب کچھ گفتگو کر رہے تھے، اتنے میں اذان شروع ہو گئی، ان صاحب نے اپنی بات جاری رکھی، اور اذان کا جواب نہیں دیا، میں نے کہا کہ بھائی اذان ہو رہی ہے، اذان کا جواب دیدیں، انہوں نے سنتے ہی فوراً کہا کہ ہاں! ہمیں سب پتہ ہے، اذان کا جواب دینا کوئی فرض و واجب نہیں ہے۔ گویا کہ جب فرض و واجب نہیں تو اب اس کے اہتمام کی اور اس کو انجام دینے کی بھی ضرورت نہیں ہے، اور اس طرح مستحبات اور نوافل کو بے وقعت سمجھنے، ان کو بیکار سمجھنے کی بات دل میں بیٹھ جاتی ہے، جو بہت بڑی بے اعتدالی ہے۔

یہ فضائل کس کے لئے؟

ارے بھائی! یہ فضائل کس کے لئے آئے ہیں؟ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نفلی عمل کی کوئی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ اس عمل پر یہ ثواب ملے گا، اس عمل پر یہ ثواب ملے گا، یہ کس کے لئے بیان فرمائی ہے؟ کیا فرشتوں کے لئے بیان فرمائی تھی؟ نہیں، بلکہ انسانوں کے لئے بیان فرمائی تھی، البتہ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے

کہ ان کو ہمارے اوپر ایسا واجب نہیں کیا کہ ان کو چھوڑنے پر گناہ ہو، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ آدمی اس کی طرف توجہ ہی نہ کرے۔ایک بے اعتدالی تو یہ ہے۔

دوسری بے اعتدالی

دوسری بے اعتدالی یہ ہوتی ہے کہ آدمی نوافل کی طرف اتنا جھکا کہ دن رات نوافل کی ادائیگی میں لگا ہوا ہے، جس کے نتیجے میں دوسرے حقوق پامال کر دیئے، نہ اپنے نفس کا حق یاد رہا، نہ اپنی بیوی بچوں کے حقوق یاد رہے، نہ اپنے دوست واحباب کے حقوق یاد رہے، نہ اپنے والدین کے حقوق یاد رہے، نہ اپنے عزیز واقارب کے حقوق یاد رہے، بس نوافل و مستحبات میں لگا ہوا ہے، یہ دوسری بے اعتدالی ہے، رسول کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب بے اعتدالی ختم فرمائی، آپ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: صم و افطر، قم و نم. یعنی روزے بھی رکھو، اور افطار بھی کرو، اور رات کو اللہ کی عبادت کے لئے کھڑے بھی ہو، اور سو بھی، دونوں کام ملا کر کرو، اسی کا نام ''دین'' ہے کہ تمام معاملات توازن کے ساتھ ہوں، کوئی کام غیر متوازن نہ ہو، سارے دین کی بھی یہی تعلیم ہے۔

دین اتباع کا نام ہے

ہمارے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ''دین'' اپنا شوق پورا کرنے کا نام نہیں، بلکہ ''اتباع'' کا نام دین ہے، یہ دیکھو کہ اس وقت مجھے اللہ جل شانہ کی طرف سے کیا حکم ملا ہے؟ اور اس وقت میرے ذمہ کیا فریضہ عائد ہو رہا ہے؟ بس اس وقت یہی کام میرے لئے ''دین'' ہے،

چاہے اس وقت دوسرے کام کا شوق ہو رہا ہو، مثلاً دل چاہ رہا ہے کہ نفل نماز پڑھوں، یا تلاوت کروں، لیکن باپ بیمار ہے، یا ماں بیمار ہے، یا بیوی بیمار ہے، اس کی تیمارداری کی ضرورت ہے، تو اب اس وقت یہی تیمارداری افضل ہے، اس لئے کہ وقت کا تقاضہ یہی ہے، اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کی اتباع اسی میں ہے۔

بہرحال! اس حدیث سے ہمیں یہ سبق ملا کہ انسان اعتدال کے ساتھ زندگی گزارے، اور ہر ایک کے حقوق ادا کرتے ہوئے زندگی گزارے، کسی ایک طرف جھکاؤ اور میلان نہ ہو، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
"ان الذین یکسبون الاثم سیجزون ما کانوا یقترفون"
(سورۃ الانعام: ۱۲۰)
یعنی جو لوگ گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں، قیامت کے روز
ان کے ان اعمال کی سزا دی جائے گی جو وہ لوگ یہاں پر کیا کرتے تھے۔

اللہ سے ڈرو (۱)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

اللہ سے ڈرو

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْهِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! ایک حدیث ہے جو سُلیم بن جابر ہُجیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ ایک چادر اپنے پاؤں پر ڈالے ہوئے تشریف فرما ہیں، اور اس چادر کے جھالر آپ کے قدم مبارک پر پڑے ہوئے ہیں، میں نے جا کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے، حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم نے ان کی فرمائش پر ان کو کچھ نصیحتیں فرمائیں۔

پہلی نصیحت ”تقویٰ“ کی

(۱) سب سے پہلے یہ نصیحت فرمائی کہ ”علیك باتقاء الله “ یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی روش اختیار کرو، تقویٰ اختیار کرو ”تقویٰ“ کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے اسکی عظمت اور جلال کے پیش نظر ڈرتے رہنا کہ کہیں ہمارا کوئی عمل اللہ جل شانہ کی مرضی کے خلاف نہ ہو جائے، یہ فکر اور یہ خلش انسان کے دل میں پیدا ہو جائے اور پھر وہ انسان اس فکر اور خلش کے مطابق عمل کرنے لگے تو اسی کا نام ”تقویٰ“ ہے۔

تقویٰ کے تین درجات

بزرگوں نے فرمایا کہ تقویٰ کے تین درجات ہیں، پہلا درجہ وہ ہے جو الحمد للہ ہر مؤمن کو حاصل ہے، وہ ہے شرک اور کفر سے بچنا، الحمد للہ جو مسلمان ہے، اور جو اشھد ان لا الہ اللہ و اشھد ان محمداً رسول اللہ کا کلمہ پڑھے ہوئے ہے، وہ کفر اور شرک سے محفوظ ہے، یہ تقویٰ الحمد للہ ہر مؤمن کو حاصل ہے، تقوی کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسان ہر قسم کے گناہ سے بچے، یہ تقویٰ ہر مؤمن سے مطلوب ہے، جب تمہیں پہلے درجہ کا تقویٰ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حاصل ہو گیا، اور تم کفر اور شرک سے بچ گئے، اور جہنم کے دائمی عذاب سے بچ گئے، لیکن اگر تم سے معصیتیں اور گناہ سرزد ہوئے تو ان کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہیں عذاب دیا جائے گا، یہ اور بات ہے کہ عذاب بھگتنے کے بعد اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں بھیج دیں گے، لہٰذا گناہوں سے بچنے کی فکر یہ دوسرے درجہ کا تقویٰ ہے۔

تیسرے درجہ کا تقویٰ

تیسرے درجہ کا تقویٰ یہ ہے کہ آدمی شکوک وشبہات سے بھی بچے، یعنی جس کام کے گناہ ہونے کا شبہ ہو، اگرچہ مفتی نے فتویٰ دیدیا ہو کہ یہ کام تمہارے لئے جائز ہے، لیکن تمہاری طبیعت اس کام کے کرنے پر مطمئن نہیں ہے، تو ایسے کام سے بچنا تقویٰ ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الاثم ما حاك فی صدرك وان افتاك المفتون

یعنی گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں بے چینی پیدا کردے کہ معلوم نہیں کہ یہ کام میں نے صحیح کیا، یا غلط کیا، اور طبیعت میں رکاوٹ پیدا ہونے لگے، چاہے مفتی حضرات نے تمہارے لئے اس کے جائز ہونے کا فتویٰ دیدیا ہو، ایسے کام کو بھی چھوڑ دو، ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دع ما یریبك الی ما لا یریبك

جس چیز کے حلال یا حرام ہونے میں شک ہو، اس کو چھوڑ دو، اور جس میں شک نہ ہو، اس کو پکڑ لو، ایک اور حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الحلال بین و الحرام بین و بینهما امور مشتبهات

بہت ساری چیزیں حلال ہیں، ان کا حلال ہونا واضح ہے، اور بہت ساری چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا حرام ہونا واضح ہے، اور ان دونوں کے درمیان بہت سے معاملات ایسے ہیں جو مشتبہ ہیں، جن کے بارے میں پتہ نہیں چلتا کہ حرام ہے، یا حلال ہے، آپ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے دین کو پاک رکھنا چاہتا ہو اس کو چاہئے کہ

وہ ایسے کاموں سے بھی بچے جو مشتبہ ہوں، یہ تیسرے درجہ کا تقویٰ ہے، اور یہ اعلیٰ درجہ کا تقویٰ ہے۔

نصیحت دوسرے اور تیسرے درجہ کی تھی

لہٰذا جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ نصیحت فرمارہے ہیں کہ علیك بتقوی اللہ تقویٰ اختیار کرو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے درجہ کا تقویٰ تو الحمد للہ پہلے ہی سے حاصل تھا، کیونکہ مؤمن ہیں، مسلمان ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہیں، اور آپ سے نصیحت مانگ رہے ہیں، اس لئے پہلے درجہ کا تقویٰ تو حاصل تھا، اب جو نصیحت فرمارہے ہیں وہ دوسرے دو درجوں کی ہے، وہ یہ کہ گناہوں سے بچو، اور شبہات سے بچو۔

ساری جد وجہد کا حاصل تقویٰ ہے

اور اگر غور کرو تو یہ نظر آئے گا کہ دین کی ساری دوڑ دھوپ کا حاصل ''تقویٰ'' ہے، سارا قرآن کریم اسی سے بھرا ہوا ہے یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ تقویٰ اختیار کرو، اگر یہ چیز ہمیں حاصل ہو جائے تو بیڑہ پار ہو جائے، اگر تقویٰ حاصل ہو جائے تو بس منزل مقصود مل گئی، لیکن اس منزل مقصود کو حاصل کرنے کے لئے کچھ مجاہدہ کرنا پڑتا ہے، یعنی تھوڑی سی محنت کرنی پڑتی ہے، وہ محنت یہ ہے کہ بعض اوقات انسان کی خواہشات انسان کو گناہوں پر ابھارتی ہیں، اور اس کے دل میں داعیہ پیدا کرتی ہیں کہ فلاں گناہ کرلو، فلاں گناہ کرلو، اب محنت یہ کرنی پڑتی ہے کہ جو ناجائز اور گناہ کی خواہش پیدا ہو رہی ہے اس خواہش کو پامال کر کے زبردستی اس گناہ سے بچنا ہوگا،

لوگ کہتے ہیں کہ کیا کریں نگاہ بہک جاتی ہے، نظر غلط جگہ پڑ جاتی ہے، دل میں ایسا تقاضہ پیدا ہوتا ہے کہ آدمی پھسل جاتا ہے..... اس کا کیا علاج ہوگا؟

کوئی وظیفہ گناہ پروف نہیں بنا سکتا

یاد رکھیے! اس کا علاج اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ آدمی اپنے آپ پر اس معاملے میں زبردستی کرے، کوئی جھاڑ پھونک، کوئی تعویذ گنڈا، کوئی وظیفہ، کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو انسان کو گھر بیٹھے "تقویٰ" عطا کردے، بعض لوگوں کے دلوں میں خیال ہوتا ہے کہ جب ہم کسی شیخ کے پاس جائیں گے تو شیخ کوئی منتر پڑھ دے گا، یا کوئی وظیفہ پڑھ دے گا تو ہم "گناہ پروف" ہو جائیں گے، اور پھر گناہ کا داعیہ ہی ختم ہو جائے گا، اور پھر گناہ کی خواہش ختم ہو جائے گی، یاد رکھیے! یہ سب خیال خام ہے، اس لئے کہ اگر دل میں گناہ کا داعیہ ہی نہ ہو تو پھر امتحان کس چیز کا؟ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا دارالامتحان بنائی ہے، وہ امتحان یہی ہے کہ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا یعنی دونوں باتیں اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں ڈال دی ہیں، گناہ کی خواہش بھی دل میں ڈال دی ہے، ساتھ میں تقویٰ کی اہمیت بھی دل میں پیدا کردی ہے، اب امتحان یہ ہے کہ کیا انسان اپنے نفس کی خواہشات کے پیچھے چلتا ہے، اور اللہ کے ڈر، اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کو فراموش کر دیتا ہے، یا اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی محبت کی بنیاد پر خواہشات نفس کو پامال کرتا ہے، اور گناہ سے بچ جاتا ہے۔

ہمت میں بڑی طاقت ہے

جیسا کہ میں بار بار عرض کر چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہمت میں

بڑی طاقت دی ہے، انسان کی ہمت ربر کی طرح ہے کہ جس طرح ربر کو تم کھینچتے چلے جاؤ، وہ لمبی ہوتی چلی جائے گی، اسی طرح انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایسی ہمت عطا فرمائی ہے کہ اگر اس ہمت کو انسان استعمال کرے، اور کام میں لائے تو یہ ہمت بڑے بڑے کارنامے انجام دیدیتی ہے، آپ نے دیکھا ہوگا کہ بہت سے لوگ فضول کاموں میں اپنی ہمت کو صرف کر دیتے ہیں، اور عجیب وغریب قسم کے کرشمے دکھاتے ہیں، یہ لوگ محنت اور ریاضت کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں ان کو ایسے کاموں پر قدرت ہو جاتی ہے، جس دیکھنے والے حیران ہو جاتے ہیں کہ یہ کام کیسے ہو گیا، مثلاً رسی باندھ کر اس رسی کے اوپر چلنا شروع کر دیا، مشق کرنے کے نتیجے میں رسی کے اوپر چلنے کی قدرت حاصل ہو گئی، اور صرف اکیلے نہیں، ایک دوسرے شخص کو اپنے کندھے پر سوار کر کے رسی پر چلتے ہیں، آج ہم سے کوئی شخص کہے کہ یہ کام کرو تو ہمیں سن کر پسینہ آجائے، اور معذرت کر لیں کہ یہ کام ہمارے بس کا نہیں، لیکن جب لوگوں نے محنت کی، ریاضت کی، مشق کی تو اس کے نتیجے میں یہ ناممکن کام ممکن ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہمت میں یہ طاقت دی ہے۔

ایک دلچسپ واقعہ

ہارون رشید کے دربار میں ایک شخص آیا، اس نے کہا کہ میں ایک ایسا کمال دکھاتا ہوں جو دنیا میں شاید کوئی نہ دکھا سکے، ہارون رشید نے کہا کہ دکھاؤ، کیا کمال ہے؟ اس شخص نے فرش پر ایک سوئی گاڑ دی، اور دور کھڑا ہو گیا، پھر ہاتھ میں ایک دھاگہ لیا، پھر اس دھاگے کو دور سے پھینکا تو وہ دھاگہ سوئی کے ناکے میں سے پار

ہوگیا..... آپ یہ دیکھیں کہ ہاتھ میں سوئی لے کر بھی اس میں دھاگہ پرو دیا جائے تو اس میں بھی یہ ہوتا کہ کبھی دھاگہ ادھر نکل جاتا ہے، کبھی ادھر نکل جاتا ہے، لیکن اس شخص نے دور سے دھاگہ پھینکا اور وہ سوئی کے ناکے سے پار ہوگیا، ہارون رشید نے اپنے درباری سے کہا کہ اس شخص نے ایسا کمال دکھایا جو آج تک کسی نے نہیں دکھایا، اس شخص کو دس دینار انعام میں دو، اور دس جوتے مارو، لوگوں نے ہارون رشید سے پوچھا کہ دس دینار تو اس کے انعام کے ہوئے، لیکن یہ دس جوتے کس بات کے؟ ہارون رشید نے کہا کہ انعام تو اس بات کا کہ اس نے ایسا کرتب دکھایا جو دنیا میں کسی اور نے نہیں دکھایا، اور دس جوتے اس بات کے کہ اس نے اپنی زندگی کا قیمتی وقت ایک فضول کام کی مشق میں ضائع کیا، اگر یہ محنت اور یہ وقت کسی مفید کام میں لگاتا، ایسے کام میں لگاتا جو انسانیت کے لئے فائدہ مند ہوتا، دین کے لئے فائدہ مند ہوتا تو یہ شخص کہاں سے کہاں پہنچ جاتا، ظاہر ہے کہ یہ کمال حاصل کرنے کے لئے اس نے مہینوں خرچ کئے ہوں گے، لیکن اگر دور سے سوئی میں دھاگہ ڈال دیا تو اس کا فائدہ کیا ہوا؟ اس میں نہ دنیا کا نفع، نہ آخرت کا نفع، لہٰذا وقت ضائع کرنے پر اس کے دس جوتے لگاؤ۔

نیاگرہ آبشار

اس سے یہ سبق ملا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہمت میں اتنی طاقت دی ہے کہ جو کام دیکھنے میں ناممکن نظر آتا ہے، اس کو ممکن کر کے دکھا دیتا ہے، امریکہ میں ایک ''نیاگرہ آبشار'' ہے، جو ساری دنیا میں مشہور ہے، جو دنیا کا سب سے بڑا آبشار

ہے، جب میں وہاں گیا کہ وہاں مجھے ایک صاحب نے ایک کتابچہ دیا، اس کتابچہ میں یہ لکھا تھا کہ اس نیاگرہ آبشار پر لوگوں نے کیا کیا کمالات دکھائے، وہ آبشار ایسا ہے کہ پورا دریا اوپر سے نیچے گر رہا ہے، اگر کوئی انسان وہاں گر جائے تو اس کی ہڈی پسلی سلامت نہ رہے، اب لوگوں نے یہ کیا کہ اس آبشار کے اوپر تار باندھے اور پھر اس تار کے اوپر چلتے ہوئے اس طرح اس کو عبور کیا کہ اپنے ہاتھوں میں بہت بڑا وزن بھی اٹھایا ہوا تھا، اب یہ اس کا ریکارڈ بن گیا، اب جو شخص وہاں جاتا ہے تو اس کو بتایا جاتا ہے کہ فلاں آدمی نے یہاں اتنا شاندار کارنامہ انجام دیا تھا، اس کے علاوہ اور بہت سے کمالات اس میں لکھے ہوئے تھے۔

انسان کی ہمت کی طاقت

میں اس کو پڑھ کر یہ سوچ رہا تھا کہ دیکھو کہ ہمیں تو اس آبشار کے کنارے پر چلتے ہوئے بھی خوف محسوس ہوتا ہے کہ اگر ذرا پاؤں پھسل گیا تو جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہمت میں یہ طاقت دی ہے کہ جب انسان نے یہ ارادہ کرلیا کہ اس کو تار پر چلتے ہوئے عبور کروں گا، جب اس نے محنت کی مشق کی تو کر گیا، جس انسان کی ہمت میں اللہ تعالیٰ نے اتنی طاقت دی ہے تو وہ اسی طرح کے ناممکن کام بھی کر گزرتا ہے، جو انسان ہمت کے ذریعہ پہاڑوں کے سینے چیر دیتا ہے، جو انسان دریاؤں کے رُخ بدل دیتا ہے، جو انسان ہواؤں کو قابو کر لیتا ہے، کیا اس انسان کی ہمت میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کے مالک نے جس کام سے اسے منع کیا ہے، وہ انسان اس کام سے رُک جائے؟ لیکن ایسے وقت میں

انسان یہ کہتا ہے کہ میری ہمت جواب دے گئی، غلط جگہ پر پڑنے سے نظر نہیں بچتی، غلط بات سننے سے کان نہیں بچتے، غلط بات بولنے سے زبان نہیں رُکتی، جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہمت دی ہے تو ان کاموں سے بچنے کے لئے انسان اپنی ہمت کو استعمال کرے۔

حاصلِ تصوف

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی پورے تصوف کا حاصل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوف کا، یہ ہے کہ جب طاعت کے انجام دینے میں سستی ہو تو اس سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو انجام دے، اور اگر کسی گناہ سے بچنے میں سستی ہو تو اس سستی کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچے، اسی سے تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے، اسی سے ترقی کرتا ہے، اور اسی سے باقی رہتا ہے۔

بہر حال یہ ہمت ہے جس سے کام لینا پڑتا ہے۔

ہمت پیدا کرنے کا طریقہ

اب سوال یہ ہے کہ اس ہمت کے اندر مضبوطی کیسے آئے؟ تو دو باتیں ہیں جس کے ذریعہ ہمت کو مضبوط بنانا نسبتاً آسان ہو جاتا ہے، ایک یہ ہے کہ اہل ہمت کی صحبت، یعنی ایسے لوگوں کے ساتھ اٹھو بیٹھو، ایسے لوگوں کے ساتھ اپنا تعلق قائم

کرو، جو ہمت رکھنے والے ہیں، جو اولو العزم ہیں، اور جو اپنی زندگی میں تقویٰ اختیار کیے ہوئے ہیں، جب ان لوگوں کی صحبت اختیار کرو گے تو رفتہ رفتہ ان لوگوں کی ہمت کا رنگ تمہارے اندر بھی منتقل ہوتا چلا جائے گا، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ یعنی اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو، اور تقویٰ اختیار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تقویٰ رکھنے والے لوگوں کے ساتھ بن جاؤ، اگر آدمی ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرے گا جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، جن کو حلال و حرام کی فکر نہیں، جن کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے اور حساب و کتاب دینے کا احساس نہیں، اگر انسان ایسے غافلوں کی صحبت میں رہے گا تو اس کے اندر بھی غفلت آجائے گی، اور اگر تقویٰ والوں کی صحبت اختیار کرے گا اور ان لوگوں کی صحبت اختیار کرے گا جن کو اللہ تعالیٰ نے ہمت عطا فرمائی ہے، اور جو اپنی ہمت کو استعمال کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے کاموں سے وہ بچتے ہیں، تو جتنی صحبت بڑھتی جائے گی، انشاء اللہ اتنا ہی تقویٰ بھی بڑھتا جائے گا، اور ہمت میں طاقت آتی جائے گی۔

اہل عرب میں شراب کی محبت

اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں شراب حرام فرمائی، اور وہ شراب اہل عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، ان کی شراب سے محبت کا یہ عالم تھا کہ صرف شراب کے لئے عربی زبان میں دو سو الفاظ بولے جاتے ہیں، جو شراب صبح کے وقت پی جائے، اس کا نام الگ ہے، جو شراب دوپہر کو پی جائے،

اس کا نام اور ہے، جو شراب شام کو پی جائے، اس کا نام اور ہے، اگر شراب میں پانی ملا کر پیا جائے تو اس کا نام اور ہے، اور اگر دو قسم کی شراب آپس میں ملا دی جائیں تو اس کا نام کچھ اور ہے، ہر قسم کی شراب کا الگ نام ہے، ان کو شراب سے اتنی محبت تھی، اور اہل عرب کی شاعری شراب کی تعریف سے بھری ہوئی ہے، بچہ بڑا ہوتے ہی پہلے شراب پینا سیکھتا تھا، اب شراب کی تجارت بھی ہو رہی ہے، شراب پی بھی جا رہی ہے، اس کے ساتھ محبت بھی ہے، اور دنیا میں جتنی چیزیں عادت کی بنیاد پر استعمال کی جاتی ہیں، مثلاً کسی کو تمباکو کی عادت ہے، کسی کو پان کی عادت ہے، کسی کو سگریٹ کی عادت ہے، ان میں سب سے خطرناک عادت شراب کی ہے، اگر کسی کو شراب کی عادت پڑ جائے، تو اللہ بچائے اس کا چھوٹنا بڑا مشکل ہوتا ہے، غالب کہتا ہے کہ:

چھوٹتی نہیں یہ کافر منہ سے لگی ہوئی ہے

جب ایک مرتبہ منہ سے لگ جائے تو چھوٹتی نہیں۔

جب شراب حرام ہوئی تو!

ایسے شرابی لوگوں کے پاس اچانک شراب چھوڑنے کا حکم آجاتا تو ان کے لئے شراب چھوڑنا بہت مشکل تھا، اور اس کے لئے بڑی قوی ہمت درکار تھی، لیکن حضرات صحابہ کرام اجمعین کو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہوئی تو آپ نے ایسا ماحول پیدا فرما دیا کہ ہر شخص صاحب ہمت بن گیا، ہر شخص صاحب تقویٰ بن گیا، ہر شخص کے دل میں آخرت کی فکر تھی، ہر شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ

کے سامنے جواب دہی کا احساس تھا، ہر شخص کے دل میں دنیا کی بے ثباتی تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب شراب کی حرمت کا حکم آیا اور منادی نے مدینہ کی گلیوں میں یہ آواز لگائی کہ اَلَا اِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ سنو! کہ شراب حرام کردی گئی ہے، تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت ایک مجلس میں لوگوں کو شراب پلا رہا تھا، اور شراب پینے کی مجلس قائم تھی، جب کان میں یہ آواز آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے کہ شراب حرام کردی گئی ہے، تو اس مجلس میں جس شخص نے شراب کا پیالہ ہاتھ میں لے کر منہ کی طرف اٹھایا ہوا تھا، اس نے یہ گوارہ نہیں کیا کہ ایک گھونٹ پی لے، بلکہ اسی وقت پیالے پھینک دیے گئے، اور شراب کے مٹکے توڑ ڈالے گئے، اور تین دن تک مدینہ کی گلیوں میں شراب بارش کے پانی کی طرح بہتی رہی، جو قوم شراب کی اتنی خوگر اور عادی تھی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک حکم آگیا کہ شراب حرام کردی گئی تو اسی وقت شراب چھوڑ دی، یہ ہمت اور تقویٰ کہاں سے پیدا ہوا؟ وہ اس طرح پیدا ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کا ماحول ایسا بنا دیا کہ ایسا لگتا تھا کہ جیسے آخرت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے ہیں، جنت اور دوزخ آنکھوں سے نظر آرہی ہے، اس وجہ سے شراب چھوڑ دی۔

بہر حال! تقویٰ حاصل کرنے کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ اہل تقویٰ کی صحبت اختیار کرو، لہٰذا یہ دیکھو کہ تم صبح شام کن لوگوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہو، حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر آدمی اس بات کو دیکھے کہ اس کا اٹھنا

بیٹھنا، اس کی دوستیاں، اس کے تعلقات، اس کا میل جول کن لوگوں کے ساتھ ہے؟ اگر وہ غافل لوگ ہیں تو اس کے نتیجے میں تمہاری وہ ہمت کمزور پڑتی چلی جائے گی، اور تقویٰ کی منزل دور ہوتی چلی جائے گی، اور اگر اہل تقویٰ کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہے، اہل صلاح وفلاح کے ساتھ ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے آپ کی ہمت میں طاقت آئے گی، بہر حال تقویٰ حاصل کرنے کے لئے پہلا طریقہ یہ ہے کہ اہل تقویٰ کی صحبت اور اہل ہمت کی صحبت اختیار کی جائے۔

اللہ سے رجوع

تقویٰ حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مسلسل رجوع کرنا، یعنی یہ دعا کرنا کہ یا اللہ میں تو کم ہمت ہوں، آپ نے ہی ہمت عطا فرمائی ہے، آپ ہی اس میں برکت اور طاقت عطا فرما سکتے ہیں، یا اللہ مجھے اتنی ہمت دیدیجئے، اور میرا حوصلہ اتنا بلند کر دیجئے کہ میں نفس کی خواہشات سے اس کے بہکانے سے اپنے آپ کو بچا سکوں، اور گناہوں سے محفوظ رہ سکوں، بہر حال انسان دو کام کرے، ایک تو صحبت ٹھیک کرلے، اور دوسرے اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنے کی عادت ڈال لے۔

حضرت یوسف علیہ السلام

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب گناہ کا داعیہ دل میں پیدا ہو، اور یہ خواہش دل میں پیدا ہو کہ میں فلاں گناہ کر لوں تو فوراً اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو کہ یا اللہ یہ نفس و شیطان مجھے بہکا رہے ہیں مجھے

غلط راستے پر ڈالنے کی فکر میں ہیں، اے اللہ اپنے فضل و کرم سے آپ میری حفاظت فرمائیے۔ دیکھئے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک عورت نے گناہ کی دعوت دی، اور دروازے بند ہیں، دروازوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں، اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں بھی گناہ کا کچھ خیال آیا، آخر انسان تھے، بشر تھے، اور بشری تقاضے ان کے اندر بھی موجود تھے، لیکن جب گناہ کا خیال آیا تو اس خیال کے وقت انہوں نے دو کام کئے، ایک کام تو یہ کیا وہاں سے بھاگے، حالانکہ ان کو معلوم تھا کہ دروازے پر تالے پڑے ہوئے ہیں، اور باہر نکلنا ممکن نہیں ہے، لیکن انہوں نے یہ سوچا کہ میرے بس میں اتنا ہے کہ میں یہاں سے بھاگ کر دروازے تک چلا جاؤں اور اپنے حصہ کا کام کرلوں، چنانچہ انہوں نے اپنے حصہ کا کام کرلیا، اور بھاگ کر دروازے تک پہنچ گئے، ایک کام تو یہ کیا۔

اللہ کو پکارو

دوسرا کام یہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کو پکارا اِنْ لَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ کَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجَاهِلِیْنَ (سورۂ یوسف) اے اللہ اگر آپ نے عورتوں کا مکر مجھ سے دور نہ کیا تو میں بھی ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا، اور میں بھی نادان بن جاؤں گا، اے اللہ اپنی رحمت سے مجھ سے یہ شر دور فرما دیجئے۔ بہرحال حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے حصے کا کام کیا، اور دروازے تک دوڑے، حالانکہ دروازوں پر تالے پڑے ہوئے تھے، اور اللہ تعالیٰ کو پکارا، اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب بندہ اپنے حصے کا کام کرلیتا ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے حصے کا کام کرتے

ہیں، ان کی سنت بھی ہے، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ دیکھا کہ بندہ نے اپنے حصہ کا کام کرلیا، اور جتنا بچ سکتا تھا بچا، اور پھر مجھے پکارا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حصے کا کام کیا کہ دروازوں کے تالے ٹوٹ کر گر گئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح دوڑو

اسی بات کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ایک شعر میں فرماتے ہیں کہ:

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید

خیرہ یوسف وار می باید دوید

یعنی اگر چہ اس دنیا میں تمہیں نکلنے کے لئے کوئی راستہ نظر نہیں آرہا ہے، چاروں طرف سے گناہوں کے تقاضوں نے تمہیں گھیرا ہوا ہے، تو اس وقت تم بھی دوڑو جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام ایک والہانہ انداز میں دوڑے تھے، اسی طرح تم بھی جہاں تک دوڑ سکتے ہو دوڑ جاؤ، اور پھر اللہ تعالیٰ کو پکارو کہ اے اللہ مجھے بچا لیجئے، تو انشاء اللہ اللہ تعالیٰ تمہیں بچالیں گے، اور اگر خدانہ کرے وہ کام کرنے کے بعد بھی پاؤں پھسل گیا تو انشاء اللہ توبہ کی توفیق ہو جائے گی، لہٰذا دو کام کرو، ایک یہ کہ اہل تقویٰ کی صحبت اختیار کرو، ان کے ساتھ اٹھو بیٹھو، جب تم لوگوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہو، باتیں کرتے ہو، مجلسیں جماتے ہو تو ان مجلسوں میں کچھ تھوڑا سا آخرت کا ذکر اور فکر بھی کرلیا کرو، یہ نہ ہو کہ جب دس آدمی بیٹھے ہیں اور گپ شپ ہو رہی ہے، تو اس گپ شپ میں صرف دنیا ہی کی باتیں ہو رہی ہیں، لیکن اگر اہل تقویٰ کے ساتھ بیٹھو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس مجلس میں جو باتیں ہوں گی،

وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کی ہوں گی، اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی ہوں گی، آخرت کی فکر کی ہوں گی، اور جب بار بار ایک چیز کان میں پڑتی رہتی ہے تو کبھی نہ کبھی وہ اپنا اثر دکھاتی ہے، اس لئے اپنی مجلسوں کو دین کی باتوں سے اور آخرت کی باتوں سے آباد کرو، لہٰذا ایک کام یہ کرو کہ اپنی صحبت درست کرو، اور اپنی گفتگو کا محور اور مرکز تبدیل کرو، مجلسوں میں دنیا کی باتیں کم اور آخرت کی باتیں زیادہ کرنے کی کوشش کرو، اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کو پکارو، اے اللہ میں پھنس گیا ہوں، میرا نفس مجھے بہکا رہا ہے، شیطان مجھے پریشان کر رہا ہے، اے اللہ اپنی رحمت سے مجھے بچا لیجئے، انشاء اللہ بچالیں گے، اور اگر کبھی بہک بھی گئے تو انشاء اللہ توبہ کی توفیق ہو جائے گی۔

گرنے سے مت ڈرو

لیکن یہ سب کام محنت اور مشق کرنے سے ہوتے ہیں، اور ابتداءً انسان جب کسی کام کی محنت اور مشق کرے گا تو ابتداءً دو چار مرتبہ گرے گا، مثلاً تم سائیکل چلانے کی مشق کرو، تم کو سائیکل چلانے کی عادت نہیں تھی، لیکن جب چلانے کی مشق کرو گے تو ابتداءً دو چار مرتبہ گرو گے، لیکن دو چار مرتبہ گرنے کے بعد جب چلانے کی عادت پڑ جائے گی، تو پھر پاؤں خود بخود اس طرح چلیں گے جس طرح چلنے چاہئیں، اسی طرح تقویٰ کی مشق کرنے میں بھی انسان چلتے چلتے گرتا ہے، اس گرنے میں گھبراؤ نہیں، مایوس نہ ہو جاؤ کہ ہم تو گر گئے، ہم سے تو کہا گیا تھا کہ ہمت کرو اور دعا کرو تم گرو گے نہیں۔ لہٰذا اس کو مایوسی کا ذریعہ نہ بناؤ، اس لئے کہ جب آدمی کوئی چیز سیکھنے کی مشق کرتا ہے تو مشق کے دوران گرتا بھی ہے، لیکن وہ گرنا

درحقیقت صحیح راستے پر چلنے کی تمہید بن جاتا ہے، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

دوست آرد دوست ایں آشفتگی

کوشش بیہودہ بہ از خفتگی

یعنی اللہ تعالیٰ کو بھی بندے کی یہ بات پسند آتی ہے کہ بندہ محنت میں لگا ہوا ہے، میرے راستے پر چل رہا ہے، کبھی پاؤں بھی پھسل جاتا ہے، کبھی گر جاتا ہے، کبھی لڑھک بھی جاتا ہے، لیکن پھر اٹھ کر چل پڑتا ہے، تو فرمایا کہ میرا جو دوست ہے وہ آشفتگی کو بھی پسند کرتا ہے، اس لئے کہ وہ کم از کم اپنے کام میں اور کوشش میں لگا ہوا تو ہے، اگرچہ وہ کوشش بیہودہ سہی، یعنی اگرچہ اس کوشش میں کمال نہیں ہے، بلکہ کبھی گر گیا، پھر اٹھ کر چل پڑا، کبھی لڑھکا، پھر چل پڑا، یہ کوشش بیہودہ ہے، لیکن کوشش بیہودہ سوتے رہنے سے بہتر ہے، اس لئے کہ دنیا کے ہر کام کی مشق میں یہ ہوتا ہے کہ گرتا بھی ہے، لڑھکتا بھی ہے، ناکام بھی ہوتا ہے، لیکن اگر لگا رہے تو بالآخر وہ منزل پالیتا ہے، اللہ تبارک تعالیٰ کی سنت بھی یہی ہے، انشاء اللہ منزل حاصل ہو جائے گی۔

بس چھوڑو نہیں، مایوس ہو کر نہ بیٹھو، غافل ہو کر نہ بیٹھو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رواں دواں رہو، اسی کو صوفیاء کرام ''سیر الی اللہ'' فرماتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف چلنا، اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف چلنا شروع کر دیا تو بس اب چلتے رہو، رکو نہیں، گرو یا لڑھکو، لیکن راستہ سیدھا رکھو، چلتے رہو۔

بہ صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

جب سیدھے راستے پر چل رہے ہو تو کوئی گمراہ نہیں ہے، سیدھے راستے پر چلو گے تو انشاء اللہ ایک دن منزل پر پہنچ جاؤ گے۔ بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ نصیحت فرمائی علیك بتقوی اللہ تقویٰ کو لازم پکڑو، اور اس کو لازم پکڑنے کا طریقہ وہ ہے جو ابھی عرض کر دیا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اللہ سے ڈرو (۲)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

اللہ سے ڈرو

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! ایک حدیث ہے جو سُلیم بن جابر ہُجیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ ایک چادر اپنے پاؤں پر ڈالے ہوئے تشریف فرما ہیں، اور اس چادر کے جھالر آپ کے قدم مبارک پر پڑے ہوئے ہیں، میں نے جا کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی نصیحت فرمایئے، حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم نے ان کی فرمائش پر ان کو کچھ نصیحتیں فرمائیں۔

پہلی نصیحت ''تقویٰ'' کی

(۱) سب سے پہلے یہ نصیحت فرمائی کہ ''علیك بتقواء اللّٰہ'' یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی روش اختیار کرو، تقویٰ اختیار کرو، ''تقویٰ'' کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے اسکی عظمت اور جلال کے پیش نظر ڈرتے رہنا کہ کہیں ہمارا کوئی عمل اللہ جل شانہ کی مرضی کے خلاف نہ ہو جائے، یہ فکر اور یہ خلش انسان کے دل میں پیدا ہو جائے اور پھر وہ انسان اس فکر اور خلش کے مطابق عمل کرنے لگے تو اسی کا نام ''تقویٰ'' ہے۔

دوسری نصیحت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ ولا تحقرن من المعروف شیئا یعنی نیکی کے کسی بھی کام کو حقیر مت سمجھو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت کا کوئی تصور کر سکتا ہے، جہاں جہاں سے شیطان انسان کی راہ مار سکتا تھا، وہاں وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت عطا فرمائی، فرمایا کہ نیکی کے معمولی سے معمولی کام کو بھی حقیر مت سمجھو، اس سے شیطان کے بہت بڑے دھوکے کے دروازے کو بند فرما دیا، شیطان بعض اوقات اس طرح دھوکہ دیتا ہے کہ کسی آدمی کے دل میں کوئی نیک کام کرنے کا خیال آیا کہ یہ نیک کام کرلوں، تو اب شیطان یوں دھوکہ دیتا ہے کہ ارے تم بڑے آئے نیکی کرنے والے، ساری زندگی تو گناہوں میں گزار دی، اور بڑی بڑی نیکیاں تو تم سے کی نہیں جاتیں، یہ چھوٹی سی نیکی کر کے تم کو کیا حاصل ہو جائے گا، گناہ تمہارے اتنے زیادہ، نیکیاں تمہاری کم،

اس ایک نیکی کا اضافہ کرلو گے تو کیا ہو جائے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک چھوٹی سی نیکی کرنے کا جو موقع آیا تھا، اس کو بھی وہ گنوا دیتا ہے۔

چھوٹی نیکی کو حقیر مت سمجھو

فرض کرو تم ایک راستے پر چل رہو، راستے میں ایک چھلکا پڑا ہوا نظر آیا، اب تمہارے دل میں خیال آیا کہ کہیں کوئی انسان اس چھلکے کی وجہ سے پھسل کر گر نہ جائے، لاؤ اس چھلکے کو اٹھا کر راستے سے دور کردوں۔ اب اس وقت شیطان بہکاتا ہے کہ تم بڑے آئے نیک بننے والے، نماز تم سے نہیں پڑھی جاتی، اور خدا تعالیٰ کے جو دوسرے احکام ہیں، وہ تم سے ادا نہیں کیے جاتے، گناہوں کے اندر تم لت پت ہو، اگر تم نے یہ ذرا سا چھلکا اٹھا کر پھینک دیا تو کیا تیر مار لو گے؟ کیا تمہاری نیکیوں میں بڑا اضافہ ہو جائے گا، اور کیا تمہیں جنت مل جائے گی، اس خیال کے آنے کے بعد اس نے وہ نیک کام چھوڑ دیا کہ واقعۃً یہ بات تو صحیح ہے، جب اور بڑی بڑی نیکیاں کریں گے تو یہ بھی کرلیں گے، اس وقت یہ کام کرنے کی کیا ضرورت ہے، اس طرح شیطان انسان کی راہ مار دیتا ہے، اور چھوٹی سی نیکی بھی نہیں کرنے دیتا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ شیطان کے اس بہکانے میں مت آنا، بلکہ جس وقت بھی جس نیکی کا موقع مل رہا ہے، چاہے وہ نیکی چھوٹی ہی کیوں نہ ہو، اس نیکی کو کر گزرو، چنانچہ اگلے جملے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ولو ان تفرغ للمستسقی من دلوك فی اناء

چاہے وہ چھوٹی سے نیکی یہ ہو کہ ایک آدمی کو پیاس لگ رہی تھی، اور اس نے تم سے پانی مانگا تو تم نے اپنے ڈول میں سے تھوڑا سا پانی اس کے گلاس میں انڈیل دیا، تو اس نیک کام کو بھی حقیر مت سمجھو، بلکہ کر گزرو، آگے فرمایا:

او تکلم و وجهك منبسط

یا تمہاری کسی مسلمان بھائی سے ملاقات ہوئی، اور اس ملاقات میں تم اس سے خندہ پیشانی سے مل لئے، یہ بھی ایک نیکی کا کام ہے، اس کو معمولی سمجھ کر مت چھوڑ دو، یہ کام بھی کر گزرو۔

اخلاق سے نیکی کا وزن بڑھتا ہے

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ جو ہم نے نیکی کی تقسیم کر رکھی ہے کہ یہ بڑی نیکی ہے، اور یہ چھوٹی نیکی ہے، یہ ہم نے اپنی ظاہری سمجھ سے کر رکھی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی اور چھوٹی نیکی کا معیار کچھ اور ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس نیکی کی قیمت ہے جو اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر انجام دی جائے، چاہے وہ چھوٹی سی نظر آرہی ہو، مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ بہت بڑی ہے، اس کا وزن بہت زیادہ ہے، کیونکہ جس جذبہ سے انسان وہ نیکی کر رہا ہے، وہ جذبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر و قیمت رکھنے والا ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قربانی کے بارے میں فرمایا:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَادِمَا ئُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (القرآن)

یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس تمہاری قربانی کے جانور کا گوشت نہیں پہنچتا، اگر تم نے قربانی کے لئے بہت موٹا تازہ جانور خرید کر اس کی قربانی کر دی، تو اس کا گوشت

اور اس کا خون اللہ تعالیٰ کے پاس نہیں پہنچے گا، بلکہ تمہارے دل کا تقویٰ، تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی جو نیت ہے وہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے گی، اگر یہ چیز دل میں موجود ہے تو پھر اگر تم نے چھوٹا سا بکرا بھی قربان کر دیا، جو بظاہر دیکھنے میں معمولی معلوم ہو رہا ہے، لاغر قسم کا ہے، لیکن خالصتاً اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے کی اور کوئی نیت نہیں تھی تو وہ قربانی اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول اور باعث اجر و ثواب ہوگی۔

سبق آموز واقعہ

حدیث شریف میں سابقہ امتوں کے ایک فاسق و فاجر اور گناہ گار شخص کا واقعہ آتا ہے، کہ وہ ایک راستے سے گزر رہا تھا، راستے میں ایک کنواں آیا، اس کو پیاس محسوس ہوئی تو وہ کنویں مین اترا، اور پانی پی کر باہر نکل آیا، جب باہر نکلا تو دیکھا کہ اس کنویں پر ایک کتا اپنی زبان باہر لٹکائے کھڑا ہے، اور پیاس کی شدت سے بے چین ہے، اس شخص کے دل میں خیال آیا کہ یہ بھی اللہ کی ایک مخلوق ہے، اور پیاسی ہے، میں اس کی پیاس بجھانے کا انتظام کروں، اب اس کنویں پر نہ ڈول تھا نہ رسی تھی، نہ برتن تھا جس کے ذریعہ پانی نکال کر اس کتے کو پلائے، چنانچہ وہ شخص دوبارہ کنویں میں اترا، اس نے اپنے پاؤں میں چمڑے کے موزے پہنے ہوئے تھے، اس نے وہ چمڑے کا موزہ اتارا، اور اس میں پانی بھرا، اور اس موزے کو اپنے منہ سے پکڑ کر کسی طرح کنویں سے باہر آیا، اور اس کتے کو پانی پلایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ صرف اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس

آدمی کی مغفرت فرمادی۔

اب اس عمل کا موازنہ دوسرے اعمال سے کرو، مثلاً ایک آدمی تہجد پڑھتا ہے، نوافل پڑھتا ہے، اور روزے رکھتا ہے، یہ بڑی بڑی نیکیاں ہیں، اور کتے کو پانی پلا دینا، ان کے مقابلے میں معمولی سے نیکی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے صرف اس ایک عمل کی بنیاد پر اس کی مغفرت فرمادی، نہ جانے کس اخلاص کے ساتھ اور کس جذبہ کے ساتھ اس نے یہ کام کیا تھا کہ اس نے بیڑہ پار کر دیا۔ لہٰذا کچھ پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کس انسان کو کس وقت کس عمل پر نواز دیں۔

ایک بزرگ کا واقعہ

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کسی بزرگ کا واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ جو بڑے عالم بھی تھے، محدث بھی تھے، صوفی بھی تھے، انتقال کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا، ان سے پوچھا کہ حضرت! کیسا معاملہ ہوا؟ انہوں نے فرمایا کہ عجیب معاملہ پیش آیا، وہ یہ کہ ہم یہ سوچتے تھے کہ ساری عمر دین کی خدمت کرنے کی جو توفیق ہوئی، علم دین پڑھا، علم دین پڑھایا، احادیث لکھیں، وعظ کہے، تقریریں کیں، تصنیفات کیں، شاید ان بڑے بڑے اعمال میں سے اللہ تعالیٰ کوئی چیز قبول فرمالیں، تو اس کی بنیاد پر مغفرت ہو جائے۔ لیکن جب یہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے بندے! تمہارا ایک عمل ایسا ہے جو ہمیں بہت پسند آیا، وہ یہ کہ ایک دن تم بیٹھے ہوئے لکھ رہے تھے، اور تمہارے ہاتھ میں قلم تھا، اس زمانے میں لکڑی کے قلم ہوا کرتے تھے، جن کو روشنائی میں ڈبو کر اس

کے ذریعہ لکھا جاتا تھا، ایک مرتبہ تم نے لکھنے کے لئے روشنائی میں قلم ڈبویا، تو اس وقت ایک مکھی آ گئی، اور اس روشنائی کو پینے کے لئے اس قلم پر بیٹھ گئی، اس وقت تمہارے دل میں خیال آیا کہ یہ مکھی بھی اللہ کی مخلوق ہے، پیاسی ہے، یہ روشنائی پی لے، اور اپنی پیاس بجھا لے، اس غرض سے تم نے اپنا قلم تھوڑی دیر کے لئے روک لیا، یہ جو تم نے ایک مکھی کی خاطر قلم روکا، یہ کام خالصۃً میری رضا جوئی کے لئے کیا، اور تمہارا یہ عمل ہمیں اتنا پسند آیا کہ آج ہم اس عمل کی بدولت تمہاری مغفرت کر دیتے ہیں۔ لہٰذا کچھ پتہ نہیں کہ کون سا عمل کس وقت اللہ کی بارگاہ میں شرف قبول حاصل کر لے، اور اس کی بنیاد پر وہ نواز دیں، چاہے وہ دیکھنے میں چھوٹا نظر آ رہا ہو۔

بے شمار مثالیں ہیں

اس کی ایک مثال نہیں ہے، بلکہ اس قسم کے واقعات بیان کروں تو پوری مجلس میں انہی واقعات کا بیان ہوتا رہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح بعض اوقات چھوٹے چھوٹے اعمال کی بنیاد پر بندوں کو بخش دیا۔ وہ نکتہ نواز ہیں، وہ چاہیں تو کسی بھی چھوٹے عمل پر بخش دیں، اس وجہ سے تم جو عمل کرتے جا رہے ہو، بظاہر دیکھنے میں وہ چھوٹا نظر آ رہا ہو، لیکن اس کو معمولی سمجھ کر چھوڑو نہیں، کیونکہ پتہ نہیں کہ وہ عمل کس وقت اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنا بڑا ہو جائے، اس کے بے شمار مثالیں ہیں، لیکن یہ دو مثالیں کافی ہیں۔

لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، اس کا کرم ہے، اس لئے کہ ایک ہوتا ہے "قانون" قانون تو یہ ہے کہ جو آدمی فرائض چھوڑے گا، پکڑا جائے گا، جو آدمی گناہ

کرے گا، پکڑا جائے گا، لیکن اگر کسی وقت اللہ تعالیٰ اپنے فضل کا معاملہ فرمائیں، اپنے کرم کا معاملہ فرمائیں، اور کسی ایک عمل کی بنیاد پر انسان کی خطائیں معاف کردیں تو ان سے کون پوچھنے والا ہے۔ لا یسئل عما یفعل و هم یسئلون (قرآن) ان کی رحمت کسی قاعدے اور قانون کی پابند نہیں، وہ جس کی چاہیں مغفرت کردیں، جس عمل پر چاہیں مغفرت کردیں، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ کسی نیکی کو معمولی سمجھ کر چھوڑو نہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہوئی۔

ایک نیکی دوسری نیکی کا ذریعہ

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ ایک نیکی دوسری نیکی کو کھینچتی ہے، جب تم ایک نیکی کرو گے، اور اللہ کے لئے کرو گے، اخلاص کے ساتھ کرو گے، اور اللہ کی رضا جوئی مقصود ہوگی تو اللہ تعالیٰ دوسری نیکی کی بھی توفیق عطا فرمائیں گے، اس لئے کہ نیکی نیکی کو کھینچتی ہے، جب ایک عمل اللہ کو پسند آگیا، اور اللہ کی رضامندی کے لئے وہ عمل کیا گیا تھا، تو اب بظاہر اگرچہ دیکھنے میں چھوٹا لگ رہا ہو، لیکن اللہ تعالیٰ مزید نیک اعمال کی توفیق اس کی بدولت عطا فرمائیں گے، اور اس طرح انسان کی نیکیوں میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

اور یہ جو میں نے کہا کہ ایک نیکی کے بعد مزید نیکیوں کی توفیق ہوتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی سنت بھی ہے، اور بہت سارے واقعات سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے کہ کسی عمل کی برکت یہ ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ زندگی کی کایا پلٹ دیتے ہیں، اور زندگی میں انقلاب آجاتا ہے، اور جس کام کی پہلے توفیق نہیں ہورہی تھی،

اب توفیق ہو جاتی ہے۔

نیکی کا خیال بڑی نعمت

تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ جو خیال آیا کہ میں فلاں نیکی کرلوں، اس خیال کا دل میں آنا بڑی نعمت ہے، صوفیاء کرام اس کو اپنی اصطلاح میں ''وارد'' کہتے ہیں، یعنی دل پر یہ چیز وارد ہوئی، صوفیاء کرام یہ کہتے ہیں کہ ''وارد'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مہمان ہے، اگر تم اس مہمان کی خاطر تواضع کرلو گے، اس کا اکرام کرلو گے، اس کی بات مان لو گے تو یہ مہمان پھر آئے گا۔ جس طرح ایک مہمان آپ کے گھر آیا، آپ نے اس کا بڑا اچھا اکرام کیا، ہنسی خوشی اس سے ملے، اور خندہ پیشانی سے پیش آئے، اس کی خاطر تواضع کی، اس نے اگر کوئی صحیح بات کی تو آپ نے اس کو سن لیا، اور مان لیا، وہ مہمان بڑا خوش ہو کر واپس جائے گا، اور اس کو دوبارہ آنے کی ہمت ہوگی کہ وہ تو بڑا اچھا آدمی ہے، بہت اچھی طرح اکرام کرتا ہے، اور اگر کوئی مہمان تمہارے پاس آیا، لیکن تم نے اس کو دھتکار دیا، اس سے صحیح طریقے سے بات نہ کی تو وہ دوبارہ تمہارے پاس نہیں آئے گا۔

وارد اللہ کا مہمان

حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہ ''وارد'' بھی اللہ جل شانہ کی طرف سے مہمان ہے، اللہ تعالیٰ ہی دل میں یہ خیال ڈالتے ہیں کہ تم یہ نیک کام کرلو، اس کی خاطر تواضع یہ ہے کہ اس وارد پر عمل کرلو، اگر عمل کرلو گے تو یہ اس مہمان کا اکرام ہو گا، اور جب اکرام ہوگا تو یہ مہمان دوبارہ آئے گا، اور دوسری نیکی کا خیال دل میں

آئے گا، لیکن اگر تم نے اس کو جھڑک دیا، اور تم نے اس کی خاطر مدارت نہیں کی، اور اس کی پرواہ نہ کی، اس کی طرف توجہ ہی نہیں کی، اور اس خیال کو اڑا دیا تو یہ مہمان ناراض ہو جائے گا، اور مہمان کے ناراض ہونے کے معنی یہ ہیں کہ پھر یہ مہمان نہیں آئے گا، اور آنا بند کر دے گا۔ اور اللہ بچائے، ایک مؤمن کے لئے یہ بڑی بری حالت ہے کہ یہ مہمان آنا بند کر دے، اور یہ وہ حالت ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں کہ تو جان اور تیری خواہشات جانیں، ہماری طرف سے کوئی مدد نہیں ہوگی۔ بہر حال تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ خیال اللہ تعالیٰ کا مہمان ہے، اگر اس خیال پر عمل کر گزرو گے تو انشاء اللہ اور نیکیوں کی توفیق ہوگی، اور اگر نہیں کرو گے تو پھر نیکی کے خیال آنے بند ہو جائیں گے۔

آسان نیکیاں

اس حدیث شریف میں لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَیْئًا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عظیم مضمون بیان فرمایا ہے کہ نیکی کے کسی کام کو حقیر اور معمولی مت سمجھو، اسی لئے میں نے ایک چھوٹا سا رسالہ لکھ دیا ہے جسکا نام ہے "آسان نیکیاں" یہ رسالہ درحقیقت ایک طرح سے اس حدیث کی تشریح ہے اسمیں وہ نیک کام لکھ دیے ہیں جن کے کرنے میں کوئی بہت زیادہ محنت و مشقت نہیں، بلکہ کچھ محنت نہیں ہے، صرف دھیان کرنے کی بات ہے، لیکن یہ سب ثواب کے کام ہیں، اور بڑے عظیم اجر کے کام ہیں۔

اصلاح کا آغاز چھوٹی نیکیوں سے

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ کا ایک رسالہ ہے جس کا نام ہے ''گناہ بے لذت'' اس رسالے میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وہ گناہ جمع کئے ہیں جن میں دنیا کا کوئی فائدہ نہیں، ان کے کرنے میں کوئی لذت نہیں، کوئی مزہ نہیں، اس لئے جمع کئے ہیں تاکہ انسان کم از کم ایسے گناہوں سے تو بچ جائے، میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اس کی مناسبت سے ایک رسالہ ایسا ہونا چاہئے، جس کا نام ہو ''ثواب بے محنت'' یعنی وہ کام جس کے کرنے میں ثواب بھی مل جائے اور محنت زیادہ نہ کرنی پڑے، اس خیال سے میں نے یہ رسالہ ''آسان نیکیاں'' لکھا تھا، اس میں ایسے اعمال بیان کئے گئے ہیں، جن کے کرنے میں کوئی مشقت نہیں، کوئی محنت نہیں، اور کوئی وقت، کوئی پیسہ، کچھ خرچ نہیں ہوتا، اور ثواب بڑا عظیم ہے، اور آدمی کو اپنی اصلاح کا آغاز کرنے کے لئے یہ ایک اچھا راستہ ہے کہ وہ آسان آسان کام پہلے شروع کر دے، اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے آگے کے کام کرنے کی بھی توفیق عطا فرمادے گا، لہٰذا یہ رسالہ پڑھ لیں، اور اس میں جو اعمال بتائے گئے ہیں اگر ان کا اہتمام اور التزام کر لیا جائے تو انشاء اللہ اس حدیث پر بھی عمل ہو جائے گا، اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مزید اعمال کی بھی توفیق عطا فرمائیں گے، بہرحال دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ کسی نیک عمل کو حقیر مت سمجھو، چاہے کسی پانی مانگنے والے کے برتن میں اپنے ڈول سے پانی انڈیل دو، یا کسی اپنے بھائی سے اس حالت میں

مل لو کہ تمہارے چہرے پر نشاط ہو، خندہ پیشانی کے ساتھ مل لو، یہ بھی بڑی عظیم نیکی ہے، اس نصیحت کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے، زندگی رہی تو انشاء اللہ آئندہ اتوار کو عرض کروں گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین

دنیا کی حقیقت

صحابہ کی نظر میں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صحابہ کی نظر میں دنیا کی حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ

عن القاسم بن محمد رحمه اللّٰه تعالٰی، ان رجلا من اصحاب محمد صلی اللّٰه علیه وسلم ذهب بصره، فَعَادُوْهُ، فقال: كُنْتُ اُرِيْدُهُمَا لِاَنْظُرَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاَمَّا اِذَا قُبِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَاللّٰهِ مَا يَسُرُّنِيْ اَنَّ مَا بِهِمَا ظَبْيٌ مِّنْ ظِبَاءِ تَبَالَةَ۔

حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے ہیں، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو حدیث وفقہ میں بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا، وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صحابی کی بینائی جاتی رہی، آنکھ میں کوئی بیماری پیدا ہوئی، اس کے نتیجے میں بینائی جاتی رہی، لوگ ان کی عیادت کے لئے گئے اور جا کر افسوس کا اظہار کیا ہوگا کہ آپ کی بینائی جاتی رہی، اس پر انہوں نے ان لوگوں کو عجیب جواب دیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بینائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں چلی گئی تھی، اور بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا، بہر حال انہوں نے جواب دیا کہ مجھے آنکھوں کی بینائی واپس آنے کی خواہش صرف اس لئے تھی تاکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرلوں، اب جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو اب مجھے بینائی کے واپس آنے کی کوئی خواہش نہیں، بلکہ اگر مجھے اس بینائی کے بدلے اللہ تعالیٰ دبالہ کے ہرنوں کی سی بینائی بھی عطا فرمادے تو مجھے خوشی نہیں ہوگی، اس لئے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اٹھ گئے تو کسی اور چیز کو دیکھنے کو دل نہیں چاہتا۔

حضور ﷺ کے حقیقی عاشق

بلکہ یہ فرمایا کہ میری خواہش یہ ہے کہ اسی حال میں رہوں، اس لئے کہ ایک دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اذا ابتلیته بحبیبتیه یرید عینیه ثم صبر عوضته الجنة

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر میں کسی شخص کی سب سے محبوب چیز یعنی آنکھیں لے لیتا ہوں، جو اس کو بڑی محبوب ہوتی ہے، اور وہ پھر اس پر صبر کرتا ہے تو اس کی آنکھوں کے عوض جنت کا بدلہ دیتا ہوں۔ اس لئے ان صحابی نے یہ فرمایا کہ یہ وعدہ تو

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا ہے، لہٰذا اگر میں صبر کرلوں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت کی گارنٹی ہے، باقی دنیا کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کی خواہش تھی، وہ اب ہو نہیں سکتا، لہٰذا اب مجھے اس بینائی کے نہ آنے کی کوئی پرواہ نہیں، یہ ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق۔

ایک بزرگ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنا

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ ایک بزرگ تھے، بہت عرصہ دراز سے اس بات کے متمنی تھے کہ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے، خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہونا بڑی نعمت ہے، اور بزرگوں کے مختلف مذاق ہوتے ہیں، بعض بزرگوں کا مذاق یہ ہوتا ہے کہ ان کو یہ خواہش اور تمنا ہوتی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار خواب میں ہو جائے، اور بعض بزرگوں کا مذاق یہ ہے کہ ان پر خشیت اتنی غالب ہوتی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم اس قابل نہیں کہ ہم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرسکیں، اسی وجہ سے اس کی تمنا بھی نہیں کرتے، وہ بزرگ پہلے مذاق والے تھے، اس لئے انہوں نے تمنا کی ہوگی، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایک روز زیارت کرادی، اور خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، جب زیارت سے مشرف ہو چکے تو اسی خواب ہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ دعا فرما دیجئے کہ بس اب میری آنکھیں سلب ہو جائیں، اور میری بینائی جاتی رہے، اب آپ کے دیدار کے بعد کسی اور کا دیدار کرنا نہیں چاہتا، چنانچہ جب

آنکھ کھلی تو بینائی جاتی رہی، اور پھر ساری عمر کوئی چیز نہیں دیکھی۔

چھین لے مجھ سے نظر

میری بڑے بھائی جناب زکی کیفی صاحب مرحوم نے اسی واقعہ کو شعر میں نظم کیا ہے:

چھین لے مجھ سے نظرائے جلوہ خوش روئے دوست
میں کوئی محفل نہ دیکھوں اب تیری محفل کے بعد

یعنی آپ کی محفل کے بعد اب کوئی محفل دیکھنے کو دل نہیں چاہتا، اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو عشق کا یہ مقام بخشتے ہیں، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے بعد بینائی کی خواہش ہی چھوڑ دی، بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی حقیقت ان پر منکشف فرمادی تھی، ہم آپ تو درحقیقت اسی دنیا کی ادھیڑ بن میں دن رات لگے ہوئے ہیں، اس دنیا کی منفعت منفعت ہے، اسی دنیا کا فائدہ فائدہ ہے، اسی دنیا کی راحت راحت ہے، اس دنیا کی تکلیف تکلیف ہے، صحابہ کرام پر اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی حقیقت منکشف فرمادی تھی، ان کی نظر میں دنیا کوئی حقیقت نہیں رکھتی تھی۔

دنیا بے حقیقت ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَوْ کَانَتِ الدُّنْیَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰہِ جَنَاحَ بَعُوْضَۃٍ مَّا سَقٰی کَافِرًا مِّنْھَا شَرْبَۃً

اگر یہ دنیا اللہ تعالیٰ کی نظر میں ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر

کو اللہ تعالیٰ اس دنیا کا گھونٹ بھی نہ دیتا، لیکن چونکہ یہ دنیا مچھر کے پر سے بھی زیادہ بے حقیقت ہے، لہٰذا یہ کافروں کو دے رکھی ہے، جتنا چاہو، لے جاؤ، مال تمہارا، دولت تمہاری، ملک تمہارا، اقتدار تمہارا، اور اپنے محبوب بندوں کے لئے آخرت میں نعمتیں رکھی ہیں، وہاں کی نعمتیں اللہ تعالیٰ کی نظر میں حقیقی نعمتیں ہیں، دنیا کی نعمتیں تو دھوکہ کا سامان ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو ہمارے لئے بنایا ہے، اور یہ کہہ دیا کہ جائز حدود کے اندر رہتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھالو، لیکن خدا کے لئے اس دنیا سے دل مت لگاؤ، خدا کے لئے اس کی حقیقت پہچانو! یہ دنیا منزل تک پہنچنے کا ایک راستہ بنایا ہے، اور اس کی راحت حقیقی راحت نہیں، اور اس کی تکلیف حقیقی تکلیف نہیں۔

جسم اطہر پر چٹائی کے نشان

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واقعہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کے بالا خانے پر تشریف فرما تھے، اور اس وقت ازواج مطہرات کی طرف سے بعض ایسی باتیں ہوئی تھیں کہ اس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ کچھ دن کنارہ کش رہ کر گزار لوں، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ سے ملنے کے لئے وہاں تشریف لائے، آپ سے اجازت طلب کی، اندر گئے، جا کر دیکھا ایک کمرہ ہے، جو بالکل خالی ہے، اور کمرہ میں سوائے چند کھالوں کے کچھ نظر نہیں آیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھجور کی چٹائی پر تشریف فرما تھے، اور اس چٹائی کے نشانات آپ کے جسم مبارک پر نظر

آ رہے تھے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس منظر کو دیکھتا رہا، یہ دونوں جہاں کے سردار ہیں، اور کس طرح سادگی کے ساتھ کھجور کی چٹائی پر اس طرح لیٹے ہوئے ہیں کہ اس چٹائی کے نشان آپ کے جسم اطہر پر نظر آرہے ہیں، جبکہ دوسری طرف قیصر وکسریٰ جو دنیا کی سپر طاقتیں ہیں، ان کے عالی شان محلات ہیں، ان کے حشم وخدم ہیں، ان کے پاس مال ودولت ہے، ان کے پاس اسلحہ ہے، سب کچھ ان کے پاس موجود ہے، میں نے اپنا یہ خیال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کر دیا کہ یا رسول اللہ! مجھے یہ خیال آرہا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے یہ فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اسی قسم کا ساز وسامان عطا فرمادیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قیصر وکسریٰ کو عطا فرمایا ہے، پھر آپ اس ساز وسامان کو دین اسلام کی خدمت کے لئے استعمال کریں۔

ان کو اچھی چیزیں جلدی دیدی گئیں

اس کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَوَ فِيْ هٰذَا أَنْتَ يَا بْنَ خَطَّابِ، تِلْكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

اے خطاب کے بیٹے! کیا ابھی تک تم اس سوچ میں مبتلا ہو کہ ان کو دنیا زیادہ حاصل ہوئی، اور میرے پاس اتنی دنیا نہیں ہے، یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کی اچھی چیزیں اللہ تعالیٰ نے دنیاوی زندگی کے اندر جلدی دیدی ہیں، آخرت میں ان کو کچھ ملنے والا نہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو عیش وعشرت، راحت وآرام دنیا کے اندر دیدیا ہے، لیکن ہمارے لئے تو اللہ تعالیٰ نے آخرت کا گھر سجا کر رکھا ہوا ہے، اور

وہاں کی نعمتیں حقیقی نعمتیں ہیں، لہٰذا ہم اس دنیا کی تکلیف اور راحت کو کیا دیکھیں، اس کی طرف کیا التفات کریں۔

یہ دنیا تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے

یہ درحقیقت قرآن کریم ہی کا مضمون ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ، مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ. (القرآن)

یعنی یہ کافر لوگ جو دنیا کے اندر بڑھ رہے ہیں، اور چڑھ رہے ہیں، ان کو دنیا کے اندر بظاہر ترقی نصیب ہو رہی ہے، اور وہ ترقی یافتہ ممالک کہلاتے ہیں، ساری دنیا ان پر رشک کرتی ہے، تو تم ان کو ان کی شان وشوکت، ان کا مال و دولت ہرگز دھوکہ میں نہ ڈالے، اس لئے کہ یہ جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے، وہ تھوڑا سا مزہ ہے، جس کو دنیا میں چکھ رہے ہیں، اس کے بعد ان کا آخری ٹھکانہ جہنم ہے، اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے، لہٰذا کس چیز نے تم کو دھوکہ میں ڈالا ہوا ہے، یہ دنیا کا مال و دولت، یہ دنیا کا عیش و آرام، دنیا کی شان شوکت یہ سب چند روزہ ہیں، کسی وقت بھی ختم ہو جائے گی، یہ نہیں معلوم کہ کس آدمی کو کس دن تک اور کس وقت تک میسر ہے؟ اس لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کو کوئی حقیقت نہیں ہے۔

دنیا ایک پردہ ہے

دنیا کی جو حقیقت حال تھی وہ اللہ جل شانہ نے ان حضرات صحابہ کرام پر

منکشف فرمادی تھی، وہ جانتے تھے کہ یہ دنیا جو کچھ ہے، یہ پردہ ہے، اس کی راحت ، اس کا آرام، اس کی دولت، اس کا مال، اس کی شان وشوکت، یہ سب پردہ ہے، جو نگاہوں پر پڑا ہوا ہے، اصل چیز تو اس کے پیچھے ہے، وہ آخرت کی زندگی ہے، جو ابدی زندگی ہے، دائمی ہے، کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ لہٰذا جب دنیا کی حقیقت منکشف ہوگئی تو اب دنیا کی تکلیف بھی کوئی تکلیف معلوم نہیں ہوتی، دنیا کی راحت کا بھی کوئی احساس نہیں ہوتا، اگر آنکھ جارہی ہے تو جائے، اس آنکھ کا تو ایک ہی فائدہ تھا، وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اس کے ذریعہ ہوتی تھی، جب وہ فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا، تو ہماری بلا سے یہ آنکھ رہے یا نہ رہے، یہ مقام اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام کو عطا فرمایا تھا، اسی وجہ سے ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ صحابہ کرام وہ لوگ ہیں:

لَا يَبْلُغُ اَحَدُكُمْ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِفَهُ

فرمایا کہ تم اس دنیا میں کتنا ہی عمل کرلو لیکن تم صحابہ کرام کے ایک مد کے برابر، بلکہ آدھو آدھ کو بھی نہیں پہنچ سکتے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی حقیقت ان پر منکشف فرمادی تھی، اللہ تعالیٰ ہم سب پر بھی دنیا کی حقیقت منکشف فرمادے، آمین

گناہوں کی جڑ دنیا کی محبت

سارے فسادات کی جڑ دنیا کی حقیقت کو نا سمجھنا ہے، حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ

یعنی دنیا کی محبت سارے گناہوں کی جڑ ہے، آج تم دنیا کے اندر جتنے فسادات دیکھ رہے ہو، جیسے بدعنوانی ہے، رشوت ہے، کرپشن ہے، ناانصافی ہے، حق تلفی ہے یہ سب اسی وجہ سے ہیں کہ لوگ دنیاوی زندگی کو سب کچھ سمجھ بیٹھتے ہیں، اور صبح سے لے کر شام تک ذہنوں میں اگر کوئی تصور و خیال آتا ہے، تو وہ دنیا ہی کا تصور اور دنیا ہی کا خیال آتا ہے، اسی دنیا کی ادھیڑ بن میں لگے ہوئے ہیں، یہ خیال بھول کر بھی مشکل سے آتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی کوئی زندگی آنے والی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب پر بھی دنیا کی حقیقت منکشف فرمادے، اور اس دنیا کی محبت دلوں سے نکال دے، اللہ تعالیٰ دنیا دے اور خوب دے، لیکن دنیا کے محبت سے بچائے، آمین

حضور ﷺ کا عیادت کا طریقہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا عَادَ الْمَرِيْضَ جَلَسَ عِنْدَ رَاْسِهٖ ثُمَّ قَالَ سَبْعَ مِرَارٍ: اَسْئَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ، فَاِنْ كَانَ فِيْ اَجَلِهٖ تَاْخِيْرٌ عُوْفِيَ مِنْ وَجْعِهٖ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بیمار کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تو آپ اس کے سر کے پاس بیٹھتے تھے، اور سات مرتبہ دعا پڑھتے، اَسْئَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ یہ مختصری دعا ہے، ہر مسلمان کو یاد کر لینی چاہئے، اس دعا کے معنی یہ ہیں کہ میں عظمت والے اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں جو عرش عظیم کا مالک ہے کہ وہ آپ کو

شفاء عطا فرمادے، سات مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگتے تھے، اگر اس مریض کی موت کا وقت ہی مقدر کے مطابق نہ آ گیا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو اس بیماری سے ضرور شفا عطا فرد یتے ہیں، ابوداؤد کی روایت میں یہ صراحت آئی ہے کہ موت کے سواء ہر بیماری کا یہ علاج ہے، اگر موت مقدر ہے تو موت کو تو کوئی چیز نہیں ٹال سکتی، لیکن اگر زندگی باقی ہے تو انشاء اللہ اس بیماری سے نجات مل جائے گی، عیادت مریض کے سلسلے میں ایک بات اور عرض کر دوں وہ یہ کہ عیادت مریض کے فضائل آپ حضرات نے سنا کہ جو آدمی کسی بیمار کی عیادت کے لئے جاتا ہے، ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں، اور جب تک وہ عیادت کرتا ہے وہ جنت کے باغ میں ہوتا ہے، بلکہ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چالیس عمل ایسے ہیں ان میں سے جس پر انسان پابندی سے عمل کر لے تو وہ ضرور جنت میں جائے گا، ان چالیس میں سے ایک عمل ''عیادت مریض'' ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی خاطر انسان کسی بیمار کی عیادت کرے تو یہ بھی جنت کے اعمال میں سے ہے، اس کی بڑی فضیلت ہے۔

عیادت کے لئے موزوں وقت کا انتخاب

لیکن ہر کام کے کچھ آداب ہوتے ہیں، عیادت مریض کا منشا یہ ہے کہ بیمار کو تسلی دینا، بیمار کو راحت پہنچانا، اگر اس بیمار کی کچھ مدد کر سکتے ہیں تو مدد کر دیں، کوئی راحت پہنچا سکتے ہیں تو راحت پہنچا دیں، ورنہ کم از کم تسلی تو دیدیں، جب عیادت کا مقصد مریض کو تسلی دینا، اور راحت پہنچانا ہوا تو عیادت کے وقت اس بات کا لحاظ

رکھنا بہت ضروری ہے کہ ہماری عیادت کی وجہ سے مریض کو ادنیٰ سی بھی تکلیف نہ ہو، مثلاً عیادت کے لئے جاتے وقت ایسے وقت کا انتخاب کیا جائے جو اس کے آرام کا وقت نہ ہو، اگر آپ ایسے وقت عیادت کے لئے چلے گئے جو اس کے آرام کا وقت تھا، اور آپ نے اس کا دروازہ کھٹکھٹا دیا، اور اس کے پاس جا کر بیٹھ گئے، تو اس کے نتیجے میں آپ راحت کے بجائے تکلیف کا سبب بن گئے، اس لئے جانے سے پہلے دیکھ لو کہ جس وقت میں جا رہا ہوں، اس وقت جانے سے اس کو تکلیف تو نہیں ہوگی؟ اگر آپ نے عیادت کے ذریعہ مریض کو تکلیف پہنچادی تو عیادت کا ثواب ملنے کے بجائے الٹا تکلیف پہنچانے کا گناہ ہوگا۔

عیادت کیا ہے؟

بعض اوقات عیادت کرنے والے مریض کے لئے ایک مستقل مسئلہ بن جاتے ہیں، مثلاً ایسا مرض ہے کہ اس میں مریض کو یکسوئی اور تنہائی چاہئے، تاکہ مریض کو آرام ملے، لیکن عیادت کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوا ہے، اس مریض کو ان سے فرصت نہیں، اب وہ کس وقت دوا کھائے، کس وقت آرام کرے، لہٰذا اس کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے، عیادت کا عمل اس وقت پورا ہو جاتا ہے، جب آپ اس کے تیمارداروں سے مل کر اس کی خیریت اور صحت دریافت کرلیں، اور اس کے لئے دعائیں کریں، بس آپ کا کام پورا ہوگیا، اس بیمار سے ملنا ضروری نہیں، عیادت کے وقت اس بات کا خیال رکھیں۔

عیادت مختصر ہو

دوسری بات جو بہت اہم ہے ایک دوسری حدیث میں بیان فرمادی وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ عادَ منكُمْ فَلْيُخَفِّفْ

یعنی تم میں سے جو شخص کسی کی عیادت کے لئے جائے تو وہ اس کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے، بلکہ مختصر بات کر کے خیریت معلوم کر کے چلا آئے، اس لئے کہ مریض کو آرام کی اور یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے، بہت سے ایسے کام ہوتے ہیں جن کو انسان دوسروں کی موجودگی میں نہیں کر سکتا، بے تکلیف نہیں ہو سکتا، عیادت کا صحیح طریقہ وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھایا کہ مریض کے پاس اس کے سرہانے بیٹھے، دعا پڑھی، دعا کر دی، اور واپس چلے گئے، اب بعض لوگ مریض کے پاس جم کر بیٹھ جاتے ہیں، اس بات سے پرہیز کرنا چاہئے کہ آدمی وہاں پر جم کر بیٹھ جائے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بہت اونچے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں اور فقہاء محدثین میں سے ہیں، ان کا واقعہ لکھا ہے کہ جب مرض الوفات پیش آیا تو چونکہ ساری مخلوق ان کی گرویدہ تھی۔ یہ وہ بزرگ ہیں کہ جب ایک مرتبہ بغداد میں تشریف لائے تو اس وقت وہاں کا بادشاہ ہارون الرشید اپنے قلعے کے برج پر بیٹھا ہوا تھا، اچانک اس نے ایک شور سنا، ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کہ

دشمن نے حملہ کر دیا ہو، اس نے اپنے آدمی کو بھیجا کہ جاؤ دیکھ کر آؤ کہ کسی دشمن نے تو کہیں حملہ نہیں کر دیا، لوگوں نے واپس آکر بتایا کہ دشمن نے کوئی حملہ نہیں کیا، بلکہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سفر کر کے بغداد تشریف لائے ہیں، تو بغداد کے شہری ان کے استقبال کے لئے جمع ہوئے تھے، وہاں ان کو چھینک آگئی، اس پر انہوں نے الحمد للہ کہا تو سارے مجمع نے ان کے جواب میں یرحمك الله کہا، اس کا یہ شور تھا، کسی دشمن نے کوئی حملہ نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو مقبولیت کا یہ مقام عطا فرمایا تھا۔

ان کی عیادت کا واقعہ

جب ان کو مرض وفات آیا تو اب لوگ بڑی تعداد میں ان کی عیادت کے لئے مسلسل آرہے تھے، ایک شخص جو بہت زیادہ معتقد تھا، وہ عیادت کے لئے آیا تو بس بیٹھ گیا، واپس جاتا ہی نہیں، اب حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بار بار کروٹیں بدل رہے ہیں کہ کس طرح ان کے ساتھ معاملہ کریں، آخر کار حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا کہ ایک طرف تو بیماری کی تکلیف ہے، دوسری طرف یہ جو عیادت کرنے والے آتے ہیں، ان کو عیادت کرنے کے آداب کا پتہ نہیں، عیادت کے لئے آتے ہیں، اور آکر بیٹھ جاتے ہیں۔ وہ شخص اب بھی نہیں سمجھا، اور اس نے کہا کہ حضرت اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں دروازہ بند کر دوں، تاکہ دوسرا کوئی آنے نہ پائے، حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہاں! دروازہ بند کر دو، لیکن باہر سے جا کر بند کر دو، تب بات اس کی سمجھ

میں آئی۔

بیمار کی خدمت پوچھ کر کرے

بعض لوگ عبادت کے کاموں کو بھی اپنی بے عقلی سے اور دین کی سمجھ نہ ہونے سے گناہ بنا دیتے ہیں، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ عَادَ مِنْکُمْ فَلْیُخَفِّف تم میں سے جو شخص کسی کی عیادت کرے تو تخفیف سے کام لے، ہاں! بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بیمار کی خدمت کرتے ہیں، اور بیمار کو ان کی ضرورت ہوتی ہے، تو وہ بھی بیمار سے پوچھ لے کہ میں تمہاری خدمت کروں یا نہ کروں؟ بعض اوقات آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں بیمار کی خدمت کروں گا، لیکن اس خدمت سے بیمار کو تکلیف ہوگی، لہٰذا بغیر پوچھے زبردستی خدمت کرنا بھی ٹھیک نہیں۔ بہر حال! عیادت کے وقت ان تمام امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح فہم عطا فرمائے، آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین

گھر کے کام

خود انجام دینے کی فضیلت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم

گلشن اقبال کراچی

وقتِ خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گھر کے کام خود انجام دینے کی فضیلت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ

حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ جو تابعین میں سے ہیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ”سئلت عائشة ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصنع فی بیتہ“ یعنی میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا کہ ذرا یہ بتائیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کام کرتے تھے؟ ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین کا اس امت پر احسان ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی کے وہ پہلو جو عام لوگوں

کی نظروں سے پوشیدہ تھے، ان امہات المؤمنین نے ان کو دنیا تک پہنچایا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے زندگی کے ہر شعبہ میں اسوہ حسنہ بنا کر بھیجا، لہذا جس طرح آپ گھر کے باہر کی زندگی میں اسوہ حسنہ ہیں، اسی طرح گھر کی زندگی میں بھی اسوہ حسنہ ہیں، اس لئے امت کو پتہ چلنا چاہئے کہ گھر میں جاکر آپ کیا کرتے تھے۔

حضور ﷺ یہ کام کیا کرتے تھے

بہر حال! اس لئے حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا: جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ما یصنع احد کم فی بیتہ یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں وہی کام کرتے تھے جو تم میں سے ہر شخص اپنے گھر میں کرتا ہے، چنانچہ جب آپ گھر مین تشریف لاتے تھے تو اپنے جوتے کی مرمت بھی خود کر لیتے تھے، اور اپنے کپڑے میں پیوند بھی خود لگا لیتے تھے، کپڑا خود ہی سی لیتے تھے، اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ اپنی بکری کا دودھ بھی خود دودھ لیتے تھے، اور اپنے کپڑوں کو دھونے کا کام بھی خود کر لیتے تھے، اور اپنے جسم کی خدمت بھی خود کر لیتے تھے، یہ طریقہ تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو آپ گھر میں اختیار کرتے تھے۔

گھر کے کام عبادت

سوال کرنے والے کے پیش نظر شاید یہ بات ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں جاتے ہوں گے تو نہ جانے کیسی کیسی عبادتیں کرتے ہوں گے، اور

شاید خلوت کا سارا وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارتے ہوں گے، نفلیں پڑھتے ہوں گے، ذکر وغیرہ کرتے ہوں گے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں یہ کام کیا کرتے تھے، اور یہی کام درحقیقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ کی عبادت تھا کہ گھر کے کام خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے تھے۔

آپ کو خود کام کرنے کی ضرورت نہیں تھی

اب یہاں ذرا سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ جتنے کام جن کا ذکر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا، چاہے وہ کپڑے سینا ہو، یا پیوند لگانا ہو، یا کپڑے دھونا ہو، یا جوتے گانٹھنا ہو، یا بکری کا دودھ دوھنا ہو، یہ سارے کام ایسے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کاموں کے لئے ازواج مطہرات کو ذرا سا اشارہ فرماتے، یا اپنے جانثار صحابہ کرام میں سے کسی بھی صحابی کو ذرا اشارہ فرماتے تو ان میں سے ہر شخص آگے بڑھ کر ان کاموں کو انجام دینے کو اپنی سعادت سمجھتا، بلکہ آپ کے فرمانے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی، صحابہ کرام کو صرف اس بات کا اندازہ ہو جائے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت فلاں چیز کی خواہش ہے تو آپ کے کہے بغیر اس کو مہیا کرنے کے لئے تیار ہوتے، اور اس کو اپنی سعادت سمجھتے۔

آج کی رات کوئی پہرہ دیدیتا

ایک حدیث شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ یہ غزوہ خندق کا واقعہ ہے،

غزوہ خندق میں مصروفیت کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض نمازیں بھی قضاء ہوئیں، نیند بھی پوری نہیں ہوئی، بھوک کی تکلیف الگ، اور خندق کھودنے کی مشقت الگ، اور ساتھ میں دشمن کی طرف سے ہر وقت اندیشہ، اتنا بڑا دشمن تیار ہو کر آیا ہے، کہیں وہ کسی وقت حملہ نہ کر دے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر سونے کے لئے تشریف لائے تو اس وقت فرمانے لگے کہ کاش! آج کی رات کوئی میرے دروازے پر پہرہ دیدیتا۔ حالانکہ عام طور پر آپ کے دروازے پر کوئی پہرہ نہیں ہوتا تھا، لیکن اس رات نہ جانے آپ نے کس عالم میں یہ بات فرمائی ہوگی، شاید آپ نے یہ سوچا ہوگا کہ اگر کوئی پہرہ دینے والا ہوتا تو اطمینان سے کچھ دیر نیند کر لیتا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے دل میں خیال آیا کہ میں کسی کو بلواؤں، ابھی یہ سوچ ہی رہی تھی کہ اچانک دروازے پر تلوار کی جھنکار سنائی دی، میں نے پوچھا کون؟ انہوں نے جواب دیا: سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ان سے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے فرمایا کہ بیٹھے بیٹھے میرے دل میں خیال آیا کہ آج کی رات میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر پہرہ دوں، اس خیال کے تحت یہاں آیا ہوں۔

اللہ نے خواہش پوری کر دی

بہر حال! میں یہ کہہ رہا تھا کہ آپ کو تو کسی کام کے لئے کسی سے کہنے کی بھی ضرورت نہیں، بلکہ دل میں خواہش ہوتی ہی اللہ تعالیٰ وہ کام کرا دیتے ہیں، یہاں

دیکھئے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں یہ بات ڈال دی، لیکن اگر کسی صحابی کو پتہ لگ جائے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو تمام صحابہ کرام اپنی جانیں قربان کر کے وہ کام کرنے کو تیار ہو جائیں۔

ازواج مطہرات اور صحابہ کی جان نثاری

صحابہ کرام کا تو یہ حال تھا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تو آپ کے جسم اطہر سے مس کیا ہوا پانی زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے، بلکہ اس کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اس کو اپنے چہروں پر اور اپنے جسموں پر مل لیتے تھے، جن صحابہ کرام کا یہ حال ہے کیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بکری کا دودھ نہیں دوھیں گے؟ کیا وہ آپ کے جوتے نہیں گانٹھیں گے؟ کیا وہ آپ کے کپڑے نہیں دھوئیں گے؟ یہ تو صحابہ کرام کا حال تھا، اور ازواج مطہرات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سو جان سے فدا تھیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چشم و ابرو کو دیکھنے والی تھیں، وہ ازواج مطہرات جنہوں نے آپ کی شان میں محبت کے قصیدے کہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ:

لَوَاحِي زُلَيْخَةَ لَوْ رَأَيْنَ جَبِيْنَهٗ

لَآثَرْنَ بِالْقَطْعِ الْقُلُوْبَ عَلَى الْيَد

یعنی زلیخا کی سہیلیاں جنہوں نے زلیخا کو طعنہ دیا تھا کہ تم یوسف علیہ السلام پر فریفتہ ہوگئی ہو، تو زلیخا نے ان سب کو ایک دعوت پر بلایا، اور دستر خوان پر چھریاں اور پھل رکھے، تو ان سہیلیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھ کر اپنے

ہاتھ کاٹ دیے تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر وہ زلیخا کی سہیلیاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کا دیدار کرلیتیں تو اپنے سینے چیر ڈالتیں۔ بہرحال! ازواج مطہرات بھی ایسی جانثار اور وفادار تھیں، اگر ان کو یہ اندازہ ہوتا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم فلاں کام کرنا چاہتے ہیں تو وہ خود آگے بڑھ کر اس خدمت کو انجام دیدیتیں، اور اس کو اپنے لئے دنیا و آخرت کی سعادت سمجھتیں۔

اپنے کام اپنے ہاتھ سے انجام دو

اس کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جوتے خود گانٹھ لیتے تھے، اپنے کپڑے خود دھو لیتے تھے، جبکہ ازواج مطہرات گھر میں موجود ہیں، اور دیکھ بھی رہی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب کام کر رہے ہیں، اور ازواج مطہرات نے ضرور یہ پیش کش کی ہوگی کہ ہم یہ کام کرلیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جان بوجھ کے ان سب کوموں کو اپنے ہاتھ سے کرنے کا اہتمام فرمایا، کیوں؟ پہلی بات یہ ہے کہ آپ اس بات کو فضیلت سمجھتے تھے کہ آدمی اپنا خود اپنے ہاتھ سے انجام دے، یہ فضیلت کی بات ہے، اور اس کے ذریعہ اپنی امت کو تعلیم دینا چاہتے تھے کہ خواہ تمہارے پاس کتنے ہی خشم و خدم ہو جائیں، نوکر چاکر ہو جائیں، لیکن جہاں موقع آئے وہاں اپنے کام کو اپنے ہاتھ سے انجام دینے کو اپنے لئے سعادت سمجھو، یہ بندگی کا تقاضہ ہے۔

کاہلی اور سستی پسندیدہ نہیں

دو وجہ سے یہ بندگی کا تقاضہ ہے، ایک یہ وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا کام اپنے ہاتھ سے انجام دینے سے کتراتا ہے، تو اس کے دو ہی سبب ہو سکتے ہیں، ایک سبب یہ ہو سکتا ہے کہ وہ کام چور اور سست ہے، اور کام چور ہونا اور سست ہونا دین کے اندر پسندیدہ نہیں ہے، بلکہ یہ بہت بری بلا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سستی سے پناہ مانگی ہے، آپ نے ایک دعا بھی فرمائی ہے: اللھم انی اعوذ بك من العجز والکسل. اے اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں عاجزی سے اور سستی سے، لہٰذا یہ سستی بہت خراب چیز ہے۔

اپنی شان مت بناؤ

دوسرا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ وہ کام اپنے ہاتھ سے کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہو، کہ ہم تو بڑے آدمی ہیں، ہم اپنے کپڑے اپنے ہاتھ سے کیوں دھوئیں، ہم کہاں اپنے ہاتھ سے جوتے گانٹھیں، ہمارے تو نوکر چاکر موجود ہیں، یہ کام کرنا ہماری شان کے خلاف ہے، تو یہ سستی سے بھی زیادہ بری بلا ہے کہ آدمی کسی کام کو اپنی شان کے خلاف سمجھے، ارے تم کیا؟ تمہاری شان کیا؟ تم اللہ کے بندے ہو، لہٰذا تمہارا کام یہ ہے کہ اپنی حقیقت کو پہچانو! اور اپنی حقیقت پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کام کیا کرو، جس سے تمہارے دل میں تواضع پیدا ہو، جس کے ذریعہ تکبر کا ازالہ ہو، جب وہ کرو گے تو انشاء اللہ دل میں تواضع پیدا ہو گی، اور جب تواضع پیدا ہو گی تو...... مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ...... یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی خاطر تواضع اختیار کرتا

ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بلندی عطا فرماتے ہیں۔

گھر میں حاکم بن کر نہ بیٹھو

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب کام اپنے دست مبارک سے خود کر لیتے تھے، نہ ازواج مطہرات سے کرواتے تھے، نہ صحابہ کرام سے کرواتے تھے، وہ اس لئے تاکہ امت کو یہ تعلیم دی جائے کہ جب میں دونوں جہاں کا سردار ہونے کے باوجود یہ سب کام انجام دے رہا ہوں تو بتاؤ تم سے ہر شخص کو کیا کام کرنا چاہئے؟ یہ نہ ہو کہ گھر میں جانے کے بعد تم حاکم بن کے بیٹھ جاؤ، اور کوئی کام انجام نہ دو، ہلنے جلنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھو، اگر سستی کی وجہ سے کر رہے ہو تو بھی بری بات ہے، اور اگر تکبر کی وجہ سے ایسا کر رہے ہو تو اس سے بھی زیادہ بری بات ہے، یہ شان بنانا عبدیت کے منافی ہے، خواہ تم کتنے اونچے مقام تک پہنچ جاؤ، خواہ تم گھر کے سردار بن گئے ہو، شوہر بن گئے ہو، باپ بن گئے ہو، دادا بن گئے ہو، اور سب خدمت کرنے والے موجود ہیں، پھر بھی اپنے سب کام اپنے ہاتھ سے انجام دینے کی کوشش کرو۔ اگر تم کسی محکمہ کے سربراہ بن گئے ہو، یا کسی ملک کے بادشاہ بن گئے ہو، اس وقت بھی یہ مت سوچو کہ چونکہ ہم تو سربراہ بن گئے ہیں، اور یہ کام کرنا ہماری شان کے خلاف ہے، نہیں، بلکہ اپنے کام اپنے ہاتھوں سے انجام دو۔ ایسا کرنے سے ایک طرف تو تمہارے اندر تواضع پیدا ہوگی، دوسری طرف جب تمہارے ماتحت تمہیں اس طرح کام کرتے ہوئے دیکھیں گے تو ان کے اندر مزید چستی پیدا ہوگی، اور وہ اپنے فرائض کو اور زیادہ بہتر طور پر انجام دیں گے، بہر حال! سرکار

دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل بڑی حکمتوں پر مبنی ہے۔

خود اٹھ کر پانی پی لو

ہمارے معاشرے میں اب یہ ہوگیا ہے کہ مرد صاحبان جب گھر میں تشریف لے جاتے ہیں تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بادشاہ ہیں، لہٰذا گھر کے اندر کوئی کام کرنا ہمارے فرض منصبی سے باہر ہے، اب گھر کے کام یا تو بیوی کرے گی، یا بچے کریں گے، یا نوکر کریں گے، اگر پانی بھی پینا ہے تو خود اٹھ کر نہیں پئیں گے، بلکہ دوسروں سے منگوائیں گے، کوئی چیز لانی ہے، تو خود اٹھ کر وہ چیز لانا ان کی شان کے خلاف ہے۔ خوب یاد رکھیں یہ بدترین بیماری ہے۔

بیوی کو کبھی حکم نہیں دیا

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میری شادی کو آج پچپن سال ہوگئے ہیں، الحمد للہ اس عرصہ میں میں نے کبھی اپنی بیوی سے حکم کے انداز میں کسی کام کے کرنے کو نہیں کہا، وہ خود اپنی سعادت سمجھ کر میرا کام کر دیتی ہیں، اگر کسی کام کی ضرورت پیش آتی تو یہ کوشش کرتا کہ خود اٹھ کر کام کرلوں، اور اگر کسی وجہ سے خود نہیں کیا تو اس انداز سے کہا جو حاکمانہ نہ ہو، مثلاً یہ نہیں کہا کہ پانی پلادو، ارے بھائی کوئی پانی دے گا؟

حضرت تھانویؒ کا انداز

میں نے اپنے والد ماجد سے سنا انہوں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ

معمول بیان فرمایا کہ ہم نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا (کیونکہ حضرت والد صاحب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں بھی بطور مہمان کے مہینوں رہتے تھے، حضرت والا کے ساتھ ایسا تعلق تھا کہ حضرت والا بہت ہی شفقت ومحبت فرمایا کرتے تھے، رمضان کی چھٹیوں میں حضرت والد صاحب اپنے پورے گھر والوں کے ساتھ تھانہ بھون چلے جاتے، اور وہیں مقیم رہتے، اس لئے گھر کے حالات سے بھی واقف تھے) میں نے آپ کو دیکھا کہ جب کھانا کھانے سے فارغ ہو جاتے اور برتن واپس بھجوانے کی ضرورت پیش آتی تو کبھی حضرت والا اپنی اہلیہ سے یہ نہیں کہتے تھے کہ برتن اٹھالو، بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ ''برتن اٹھوالیں'' لہٰذا یہ حکم دینے کے بجائے کہ آپ اٹھالیں، یہ فرماتے کہ کسی کے ذریعہ اٹھوالیں، تاکہ براہ راست تحکمانہ لہجہ نہ ہو۔

کبھی لہجہ بدل کر بات نہیں کی

ایک مرتبہ حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ الحمد للہ آج تک اپنی اہلیہ سے اس پچپن سال کے عرصہ میں کبھی لہجہ بدل کر بات نہیں کی، یعنی تلخ لہجہ میں بات نہیں کی، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہوا میں اڑنا کرامت ہے، پانی میں تیرنا کرامت ہے، آگ میں جلنا کرامت ہے، ارے اصل کرامت تو یہ ہے کہ اتنی مدت تک میاں بیوی کے تعلق میں کبھی لہجہ بدل کر تلخی سے بات نہیں ہوئی، تحکمانہ انداز میں بات کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔

میں تو سب کا خادم ہوں

فرمایا کرتے تھے کہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ میں تو خادم ہوں، اپنی بیوی کا خادم ہوں، اپنے بچوں کا خادم ہوں، ہاں! خدمت کے انداز مختلف ہوتے ہیں، لیکن میں ہوں خادم، لہٰذا میں نے اپنے آپ کو خادم سمجھ کر ساری زندگی گزار دی۔ لیکن آج کل کے معاشرے میں مردوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ گھر کا کوئی کام کرنا نہ صرف یہ کہ ہمارے فرائض منصبی میں داخل نہیں، بلکہ ہماری شان کے بھی خلاف ہے، اور گھر کے کام کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھنا تکبر کی اعلیٰ قسم میں داخل ہے، اور یہ بہت بری بلا ہے۔

آج پیر صاحب بازار نہیں جاسکتے

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ سنا، فرمایا کہ: ''جو شخص اپنی شان بنانے کی کوشش کرے، اس کو اس طریق کی ہوا بھی نہیں لگی، خواہ وہ کتنا بڑا پیر بن بیٹھا ہو'' یا جو یہ سمجھے کہ میں چونکہ پیر بن گیا ہوں، لہٰذا یہ کام میری شان کے خلاف ہے، اس کو تو طریقت کی اور تصوف کی ہوا بھی نہیں لگی، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب وہ پیر صاحب بن گئے تو ان کا بازار جا کر کوئی چیز خریدنا ان کی توہین ہے، بلکہ وہ اپنے خادموں سے وہ چیز منگوائیں گے، اپنے مریدوں سے منگوائیں گے، وہ خود کیوں بازار جائیں گے۔ ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبر تو ضرورت کی اشیاء کی خریداری کے لئے بازار جا رہا ہے، کفار انبیاء پر اعتراض کیا کرتے تھے کہ:

مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ

کہ کیسا رسول ہے، جو کھانا بھی کھاتا ہے، اور بازار میں بھی پھرتا ہے۔ اب پیغمبر تو بازار سودا خریدنے کے لئے جا رہا ہے، لیکن پیر صاحب بازار نہیں جا سکتے، اس لئے کہ پیر صاحب کی شان زیادہ بڑی ہے، یہ شیطان کا خناس ہے۔

کہاں کا منصب، کہاں کی شان

میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب دارالعلوم دیوبند میں صدر مفتی بن گئے اور مفتی اعظم کہلانے لگے، اس وقت یہ حال تھا کہ اگر گھر میں دودھ کی ضرورت ہوئی تو پتیلی اٹھائی، اور دودھ لے کر چلے آرہے ہیں، ایک دن کسی شخص نے ان سے کہا کہ حضرت، اب آپ مفتی اعظم ہو چکے ہیں لہٰذا اب آپ اس طرح پتیلی لے کر بازار میں نہ پھرا کریں، اس لئے کہ یہ عمل آپ کے منصب سے فروتر ہے، جواب میں فرمایا کہ کہاں کا منصب؟ کہاں کی شان؟ مجھ میں اور ایک عام مسلمان میں کیا فرق ہے؟ اگر ایک عام مسلمان دودھ خریدنے کے لئے دودھ والے کی دکان پر جا سکتا ہے، تو میں کیوں نہیں جا سکتا۔

شان بنانے کی کوشش مت کرو

بہر حال! جو شخص اپنی شان بنانے کی کوشش کرے، اور یہ سوچے کہ میری شان کے خلاف ہے کہ میں یہ کام کروں، اس کو تو طریقت کی ہوا بھی نہیں لگی۔ اب گھر میں بیٹھیں ہیں، اور خود اٹھ کر پانی پینا اپنی شان کے خلاف، اور برتن دھونا شان کے خلاف، اور کپڑے دھونا شان کے خلاف، یہ بڑی خطرناک بات ہے، اس کا

مطلب یہ ہے کہ دماغ میں کبر کا خناس بھرا ہوا ہے، اور جب تک دماغ سے کبر کا خناس نہیں نکالو گے، اس وقت تک اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق قائم نہیں ہو سکتا، کیونکہ تکبر اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق یہ دونوں چیزیں کبھی ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بندگی کا تعلق ہے، تواضع کا تعلق ہے، فنائیت کا تعلق ہے، عبدیت کا تعلق ہے، شکستگی کا تعلق ہے، لہٰذا دماغ سے یہ بات نکال دو کہ فلاں کام ہماری شان کے خلاف ہے۔

اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالو

اگر فرض کرو کہ تمہارے گھر میں نوکر بھی ہیں، خدمت گزار بھی ہیں، پھر بھی نہ چاہتے ہوئے کچھ کام اپنے ہاتھ سے کرنے کی عادت ڈالو، تاکہ دماغ سے تکبر کا خناس نکلے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو کام اپنے ہاتھ سے انجام دیے، یہ اس لئے نہیں کیے کہ آپ کے پاس کوئی کام کرنے والا نہیں تھا، کیونکہ آپ کے کام کرنے والے تو اتنے تھے کہ دنیا میں کسی کے نہیں ہو سکتے، لیکن اپنی بندگی کے اظہار کے لئے یہ کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے، اور ویسے بھی مکارم اخلاق میں سے یہ ہے کہ آدمی ہر قسم کی صورت حال سے نمٹنے کا عادی رہے، آج تو آپ کے پاس نوکر چاکر ہیں، لیکن کیا اس بات کی گارنٹی ہے کہ یہ نوکر تمہارے پاس ہمیشہ رہیں گے؟ اگر آدمی اپنے ہاتھ سے کام کرنے کا عادی نہیں بنا تو ان حالات میں آدمی پریشان اور پشیمان ہوگا۔ لہٰذا دین کی تعلیم یہ ہے کہ اپنے کام اپنے ہاتھ سے انجام دینے کی کوشش کرو۔

ایک نصیحت

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کو نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ بھائی، کبھی کبھی گھر میں برتن خود دھولیا کرو، کبھی کپڑے بھی خود دھولیا کرو، کبھی دوسرے کام کرلیا کرو، اور ان کاموں کے کرنے کا اہتمام ہونا چاہئے کہ یہ بھی تمہارے ضروری کاموں کا ایک حصہ ہیں۔ ہم نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو ایسا پایا، باوجودیکہ بہت سے خدمت گزار موجود تھے، لیکن اپنے ہاتھ سے کام کرنے کا معمول تھا۔

بیت الخلاء کا لوٹا دھولیتا ہوں

ایک مرتبہ ہمیں نصیحت کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ میں کوشش کرتا ہوں کہ وقت کا کوئی لمحہ ضائع نہ ہو، اور ہر لمحہ کسی نہ کسی کام میں لگ جائے، چاہے وہ دنیا کا کام ہو، یا آخرت کا کام ہو۔ فرماتے تھے کہ اگر وقت خالی ہو، اس میں کوئی کام نہ ہو تو طبیعت پر بوجھ ہوتا ہے کہ یہ وقت خالی اور بیکار جارہا ہے، پھر فرمایا کہ ہے تو شرم کی بات، لیکن تمہیں سمجھانے کے لئے کہتا ہوں کہ جب میں بیت الخلاء میں بیٹھتا ہوں، تو وہاں جو وقت بیکار گزرتا ہے وہ بھی طبیعت پر بار ہوتا ہے، اس لئے کہ اس وقت آدمی زبان سے ذکر بھی نہیں کرسکتا، چنانچہ اس وقت کو کام میں لینے کے لئے لوٹا دھولیتا ہوں، تاکہ وقت بھی کام میں لگ جائے، اور گھر کا ایک کام بھی نمٹ جائے۔ بہر حال! حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت تھی۔

یہ سب کام عبادت ہیں

یاد رکھیے! دین حاصل کرنے کی کلید ''تواضع اور فنائیت'' ہے، اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے مٹانا، اور یہ اعمال افعال انسان کے اندر تواضع اور فنائیت پیدا کرتے ہیں، عبدیت پیدا کرتے ہیں، اس لئے اس کی عادت ڈالنی چاہئے، اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ اور جس وقت گھر کے برتن دھو اس وقت دل میں یہ نیت کرلو کہ میں یہ کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کر رہا ہوں، جب کپڑے دھو اس وقت بھی یہی نیت کرلو، جب جوتے گانٹھو اس وقت بھی یہی دعا کرلو، اور جب تم نے اتباع سنت کی نیت کرلی تو اب تمہارا کپڑے دھونا بھی عبادت، تمہارا جوتے گانٹھنا بھی عبادت، تمہارا برتن دھونا بھی عبادت، یہ سارے کام عبادت بن جائیں گے، اب اگر پانچ منٹ ان کاموں میں صرف ہوگئے، اور اس کے نتیجے میں تمہیں اتباع سنت کی برکات حاصل ہوگئیں تو یہ کتنا سستا سودا ہے۔

اس وقت تم اللہ تعالیٰ کے محبوب بن رہے ہو

ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جس وقت تم اتباع سنت کی نیت سے کوئی کام کر رہے ہوتے ہو، اس وقت تم اللہ تعالیٰ کے محبوب بن رہے ہوتے ہو، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ

یعنی اگر تم میری اتباع کرو گے، تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے، لہذا اگر تم

حضور ﷺ کی اتباع میں برتن دھو رہے ہو تو اس وقت تمہیں اللہ تعالیٰ کی محبوبیت حاصل ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ کے محبوب بن رہے ہو، اگر حضور ﷺ کی اتباع میں کپڑے دھو رہے ہو، تو اس وقت تم اللہ تعالیٰ کے محبوب بن رہے ہو، ارے کہاں کی شان! کہاں کا منصب! جب ان کاموں کے کرنے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا منصب حاصل ہو رہا ہے تو اس سے بڑا اور کیا منصب ہوگا، اس سے بڑی اور کیا شان ہوگی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ منصب عطا فرما دے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تفسیر سورۃ الفاتحہ

(۱)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

عدنان ضمیر مرزا

میمن اسلامک پبلشرز

۱/۱۸۸، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر سورۂ فاتحہ (۱)

الحمد للہ رب العلمین

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ. وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ. اٰمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، و نحن علی ذالک من الشاھدین والشاکرین، والحمد للّٰہ رب العلمین.

سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! یہ سورۂ فاتحہ کل سات آیات پر مشتمل

ہے، اور اس کی پہلی آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے، جس کا ترجمہ ہے کہ ”تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے اور پالنے والا ہے تمام جہانوں کا“

تمام اشیاء کی تعریف اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے

تمام تعریفیں اللہ کی ہیں، اس کے معنی یہ ہیں کہ کائنات میں جب بھی کسی چیز کی تعریف کی جائے گی تو وہ درحقیقت اللہ جل شانہ کی تعریف ہوگی، اس لئے کہ جب انسان کسی چیز کی تعریف کرتا ہے تو حقیقت میں وہ تعریف اس چیز کے بنانے والے کی ہوتی ہے۔ اگر آپ کسی عمارت کی تعریف کریں کہ یہ بڑی عالیشان ہے، بڑی خوبصورت ہے، تو درحقیقت وہ اس عمارت کے بنانے والے کی تعریف ہے، تو اس کائنات میں جب بھی کسی چیز کی تعریف کی جائے گی تو درحقیقت وہ اللہ جل شانہ کی تعریف ہوگی، کیونکہ حقیقت میں وہی اس چیز کا بنانے والا ہے، وہی اس چیز کا پیدا کرنے والا ہے، تو تمام تعریفیں اللہ کی ہیں۔

تمام جہانوں کا پالنہار ہے

اور پھر اس کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت بیان فرمائی کہ رب العالمین ”جو پالنے والا ہے تمام جہانوں کا“ یہ درحقیقت اگر دیکھا جائے تو ”الحمد للہ“ میں جو دعویٰ کیا گیا تھا کہ تمام تعریفیں اللہ کی ہیں، اس دعویٰ کی دلیل ہے، تمام تعریفیں اللہ کی کیوں ہیں؟ یہ اس لئے ہیں کہ وہ رب العالمین ہے، وہ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، اس کی پرورش کرنے والا ہے، ان کا پروردگار ہے، ان کا پالنہار ہے، اور لفظ استعمال فرمایا عالمین ”تمام جہانوں کا“ اس کائنات میں جتنے جہان

پائے جاتے ہیں، انسانوں کا جہاں، جنات کا جہاں، جانوروں کا جہاں، آسمانوں کا جہاں، چاند ستاروں کا جہاں، بادلوں اور پہاڑوں کا جہاں، سمندروں اور دریاؤں کا جہاں، جتنے جہاں کائنات میں پائے جاتے ہیں، ان سب کا پروردگار ہے، ان سب کا پالنے والا ہے۔

ایک اشکال

اس جملے میں ایک عجیب قسم کا اشارہ یہ موجود ہے کہ دعویٰ تو یہ کیا گیا ہے کہ تمام تعریفیں اللہ کی ہیں، یعنی اللہ تبارک تعالیٰ کا ہر کام قابل تعریف ہے، تو کبھی کبھی انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کائنات میں بہت سے واقعات ہمیں ایسے نظر آتے ہیں جو دیکھنے میں اچھے نہیں لگتے، جن کی بظاہر تعریف نہیں کی جاتی، جن کو دیکھ کر صدمہ ہوتا ہے، جن کو دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے، مثلاً کسی انسان کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے، کسی انسان کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے، کسی کو ناحق قتل کیا جا رہا ہے، کسی کے اوپر ڈاکے ڈالے جا رہے ہیں، یہ سارے کام بھی تو اسی کائنات میں ہو رہے ہیں، اور ان میں سے کوئی کام ایسا نہیں جس کی تعریف کی جا سکے، تو پھر یہ کہنا کہ اللہ کے تمام کام قابلِ تعریف ہیں یہ کیسے درست ہوا؟ جب کہ بہت سارے کام کائنات میں ہمیں ایسے نظر آتے ہیں جو قابل تعریف نہیں، جن کے اندر کوئی نہ کوئی تکلیف کا پہلو ہوتا ہے، کوئی منفی پہلو ہوتا ہے، جس کے بارے میں دل میں یہ خیالات اور اعتراضات اور شک و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ درحقیقت ''رب العالمین'' کے لفظ میں اس سوال کا بھی جواب ہے، وہ یہ ہے کہ یہ جو تم کسی واقعہ سے

رنجیدہ ہوتے ہو، جس سے تمہیں تکلیف پہنچتی ہے، یا غم ہوتا ہے تو تم اپنی چھوٹی سی عقل کے دائرے میں رہ کر سوچ رہے ہو، اور اس چھوٹی سی محدود عقل کے دائرے میں رہ کر تم کسی بات کے بارے میں یہ فیصلہ کرتے ہو کہ یہ ناگوار ہے، یہ اچھی نہیں، یہ تکلیف دہ ہے، اس میں غم ہے، اس میں صدمہ ہے، یہ تم اپنی چھوٹی سی عقل میں رہ کر سوچتے ہو، لیکن باری تعالیٰ جو پوری کائنات کا خالق ہے، جو پوری کائنات کا نظام چلا رہا ہے، جو ساری کائنات کو پال پوس رہا ہے، اس کی نگاہ میں ہے کہ کس لمحہ کون سا کام اس کائنات کی مصلحت کے مطابق ہے، اور کون سا کام مصلحت کے مطابق نہیں ہے، تمہاری چھوٹی سی عقل میں اس کی مصلحت نہیں آسکتی۔

تمہاری عقل کی ایک مثال

اس کی مثال یوں سمجھو کہ اگر ایک بچہ کے کوئی پھوڑا نکل آیا ہے، اور کوئی ڈاکٹر اس کا آپریشن کر کے اس پھوڑے کو نکال رہا ہے، اور بچہ چیخ رہا ہے، اور چلا رہا ہے، تم اس کے چیخنے اور پکارنے کو دیکھ کر یہ سمجھو گے کہ اس کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے، اور اس کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے، یہ بچہ رو رہا ہے، اور چلا رہا ہے، اور ڈاکٹر ہے کہ اس کے اوپر نشتر چلا رہا ہے، لیکن اگر ذرا سی عقل سے کام لو گے تو پتہ چلے گا کہ اس کے ساتھ جو عمل کیا جا رہا ہے یہ درحقیقت اس کے لئے فائدہ مند ہے، یہی اس کے حق میں مفید ہے، اس کی خیر خواہی کا تقاضہ بھی یہی ہے، اس کی مصلحت کا تقاضہ بھی یہی ہے، یہ تو ایک چھوٹی سی مثال میں نے دیدی، لیکن جس کے سامنے پوری کائنات کا نظام ہے، وہ ہی جانتا ہے کہ کس لمحہ کون سی بات اس کائنات کی

مصلحت کے مطابق ہے، وہ رب العالمین ہے، لہٰذا جو فیصلہ کرتا ہے، اس کا فیصلہ بر حق ہے۔ اس کا فیصلہ مصلحت کے عین مطابق ہے، کبھی کبھی اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی اس کائنات کی چھپی ہوئی مصلحتوں کو کسی اللہ والے پر ظاہر بھی کر دیتے ہیں۔

ایک بچھو کا عجیب وغریب واقعہ

حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ جن کی تفسیر کبیر مشہور ہے، انہوں نے اسی آیت کی تفسیر میں ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے، ایک بزرگ تھے، وہ ایک مرتبہ دریائے دجلہ جو بغداد کا دریا ہے، اس کے کنارے جا رہے تھے، جاتے جاتے دیکھا کہ آگے ایک بڑا سا بچھو جا رہا ہے، ان بزرگ کے دل میں خیال آیا کہ اس کائنات کا کوئی بھی ذرہ کسی مصلحت اور مقصد کے بغیر حرکت نہیں کرتا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے، یقیناً یہ بچھو بھی کسی کام پر جا رہا ہوگا، تو آج میں ذرا اس کا تعاقب کر کے دیکھوں کہ یہ بچھو کہاں جا رہا ہے؟ کیا کرے گا؟ دل میں یہ خیال آیا، پھر وہ اس بچھو کے پیچھے چل پڑے، آگے آگے بچھو، اور پیچھے پیچھے یہ بزرگ، بزرگ بھی چلتے رہے، وہ بچھو بھی چلتا رہا، یہاں تک کہ ایک جگہ پہنچ کر بچھو نے اپنا رُخ موڑا، اور دریا کے کنارے پر جا کر کھڑا ہو گیا، یہ بزرگ بھی کھڑے ہو گئے، دیکھنے کے لئے کہ اب کیا ہوتا ہے؟

بچھو کے لئے خدائی کشتی

تھوڑی دیر گزری تھی کہ دیکھا کہ دریا میں ایک کچھوا تیرتا ہوا آ رہا ہے، وہ کچھوا تیرتا ہوا آیا، اور ٹھیک اس جگہ جہاں بچھو کھڑا ہوا تھا، کنارے سے لگ گیا، اب یہ بچھو چھلانگ لگا کر کچھوے کی پشت پر سوار ہو گیا، فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ

اللہ تعالیٰ نے بچھو کو دریا پار کرانے کے لئے کشتی بھیج دی ہے، اس کے بعد کچھوے نے پانی پہ تیرنا شروع کر دیا، وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ چونکہ میں نے یہ سوچ لیا تھا کہ آج اس کا تعاقب کرنا ہے کہ یہ کہاں جا رہا ہے؟ اس لئے میں نے بھی ایک چھوٹی سی کشتی لے لی، اور کشتی میں بیٹھ کر میں بھی دریا میں چل پڑا، وہ کچھوا اس کو گھماتا پھراتا دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا، اور وہاں جا کر کنارے سے لگ گیا، اب بچھو اس کچھوے کی پشت سے چھلانگ لگا کر دریا کے دوسرے کنارے پر اتر گیا، میں نے بھی کشتی لگا دی اور میں بھی کنارے پر اتر گیا، اب پھر اس نے چلنا شروع کیا، خدا جانے کہاں جا رہا تھا؟ کہاں منزل تھی، لیکن میں نے چونکہ تہیہ کیا تھا کہ آج میں اس کا تعاقب کروں گا کہ یہ کہاں جا رہا ہے، آگے گئے تو وہاں ایک آدمی سو رہا تھا، میں نے سوچا کہ شاید بچھو اس آدمی کو جا کر کاٹے گا، اور شاید اسی لئے سارا سفر طے کر کے آیا ہے، چنانچہ میں بھی پیچھے پیچھے چلتا رہا، یہاں تک کہ جب میں اس سوئے ہوئے آدمی کے قریب پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ایک سانپ اپنا پھن اٹھا کر اس سوئے ہوئے آدمی کو ڈسنا چاہتا ہے، اس نے اپنا پھن اٹھایا ہوا ہے، اور قریب تھا کہ اس کو ڈس لے، اچانک یہ بچھو پہنچا اور اچھل کر اس سانپ کے اوپر سوار ہو گیا، اور سانپ کو اس زور سے ڈسا کہ سانپ تیورا کر نیچے گر گیا، اور وہ سوتا ہوا آدمی سو رہا تھا، اس کو کچھ پتہ نہیں کہ کیا ہو رہا ہے؟

یہ بچھو تمہارا محسن ہے

جب سونے والے شخص کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ قریب میں بچھو جا رہا ہے، تو

اس نے پتھر اٹھا کر اس بچھو کو مارنے کی کوشش کی، میں نے جا کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا کہ خدا کے لئے اس کو نہ مارنا، یہ تمہارا محسن ہے، اسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہاری جان بچانے کے لئے بہت دور سے بھیجا ہے، اگر یہ بچھو نہ ہوتا تو سانپ تمہیں ڈس چکا ہوتا، اور تم مر چکے ہوتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ بچھو کہاں سے تمہارے لئے بھیجا ہے، جس نے اس سانپ کا خاتمہ کیا جو تمہیں ڈسنا چاہتا تھا، فرماتے ہیں کہ بس یہاں آ کر میری سمجھ میں آ گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس کائنات میں کوئی نہ کوئی حرکت کسی نہ کسی مصلحت سے خالی نہیں، تو یہ ہے رب العالمین۔

کائنات کا نظام اللہ تعالیٰ چلا رہے ہیں

کوئی چھوٹے سے چھوٹا کیڑا بھی اگر حرکت کرتا ہے، تو اس کا بھی کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے، اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے کوئی مشن سونپا ہوا ہوتا ہے، وہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان ربوبیت کا ایک مظاہرہ ہے، جسکے ذریعہ وہ کائنات کا نظام چلا رہا ہے، اگر آپ غور کریں کہ وہ سونے والا آدمی جب بیدار ہوا تھا تو اس کو تو بچھو نظر آیا، اور اس کے دل میں تو یہی بات تھی کہ یہ بچھو موذی جانور ہے، اس کو مارنا چاہئے، لیکن اس کو پتہ نہیں تھا کہ یہ بچھو اس کے لئے زندگی کا پیغام لے کر آیا ہے، تو اس کائنات میں جو واقعات ہمیں نظر آتے ہیں اس میں بہت سے واقعات وہ ہیں جن کی اصلیت اور حکمت ہماری محدود عقل کے دائرے میں نہیں آتی، اس واسطے اس کو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ رنج کا واقعہ ہے، یہ غم کا واقعہ ہے، یہ تکلیف ہے، لیکن جو ذات اس پوری کائنات کے نظام کو چلا رہی ہے، وہی جانتی ہے کہ کس وقت کیا ہونا چاہئے؟

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا واقعہ

آپ نے سنا ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس بھیجا، ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تقریر کر رہے تھے، کسی نے پوچھا کہ اس پوری دنیا میں سب سے زیادہ علم کس کے پاس ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت پیغمبر تھے، اور جب کوئی پیغمبر اس دنیا میں موجود ہو تو اس سے بڑا عالم کوئی نہیں ہوتا، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے پاس ہی سب سے زیادہ علم ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اگرچہ شریعت کے سب سے بڑے عالم تھے، لیکن جب ان سے یہ پوچھا گیا کہ کون سب سے بڑا عالم ہے، تو ان کو چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے، اور یہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کون بڑا عالم ہے؟ یہ بات اللہ تبارک وتعالیٰ کو پسند نہیں آئی کہ انہوں نے فرمایا کہ میں سب سے بڑا عالم ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم کہہ رہے ہو کہ تم سب سے بڑے عالم ہو، تو ہمارا ایک بندہ ہے، اس کے پاس ہم تمہیں بھیجتے ہیں، جن کو تم سے زیادہ علم ہے۔

مچھلی کا گم ہونا

چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا گیا، پوچھا کہ یا اللہ! کیسے پہنچوں ان تک؟ کہا کہ ایک مچھلی اپنے ساتھ رکھ لینا، اور چلتے چلتے ایک جگہ ایسی آئے گی، جہاں تک تم سے وہ مچھلی گم ہو جائے گی، جس جگہ گم ہو جائے گی، اسی جگہ تم کو وہ آدمی ملے گا، چلتے رہے، یہاں تک کہ مچھلی گم ہوگئی، اور

سمندر میں چلی گئی، جوان کے ساتھی تھے حضرت یوشع علیہ السلام کو بتانا یاد نہیں رہا، آگے چلے گئے، آگے جانے کے بعد پوچھا کہ لاؤ وہ مچھلی کہاں ہے؟ تو حضرت یوشع علیہ السلام نے کہا کہ جہاں ہم سوئے تھے، وہاں وہ مچھلی سمندر میں چلی گئی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

ذَالِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰى آثَارِهِمَا قَصَصًا (سورة الكهف:٦٤)

اسی کی تو ہم تلاش میں تھے۔ واپس پیچھے آئے، واپس آئے تو وہاں حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا کہ میں آپ کی صحبت میں کچھ وقت گزارنا چاہتا ہوں، تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو علم دیا ہے، وہ مجھے بھی نصیب ہو جائے۔

تم سے صبر نہیں ہوگا

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ تم میرے ساتھ رہوگے تو تم سے صبر نہیں ہوگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ انشاء اللہ میں صبر سے کام لوں گا، اور جیسا آپ کہیں گے میں ویسا ہی کروں گا، کہا کہ اچھا جو کچھ بھی میں کروں اور جب تک اس کے بارے میں، میں خود تمہیں نہ بتاؤں، تو سوال نہ کرنا، اور پوچھنا نہیں کہ میں کیا کر رہا ہوں؟ اور کیوں کر رہا ہوں؟ کہا کہ اچھا نہیں پوچھوں گا، اب یہ حضرت خضر علیہ السلام تو اس رب العالمین کے کارندے تھے، اور کائنات کا نظام چلانے کے لئے مقرر کئے ہوئے تھے، دونوں چل پڑے، سمندر میں جانا تھا، ایک کشتی مل گئی، کشتی والوں سے بات چیت کی، انہوں نے کچھ اجرت لئے بغیر کشتی میں سوار

کرلیا، کشتی چلتی رہی، یہاں تک کہ ایک جگہ جب پہنچی تو حضرت خضر علیہ السلام نے کدال لے کر اس کشتی کا ایک تختہ توڑ دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام دیکھ کر گھبرا گئے، اور فرمایا، اللہ کے بندے! یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بغیر کسی اجرت کے ہمیں کشتی میں سوار کیا ہے، اور آپ نے لے کر کشتی توڑ دی، حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ آپ صبر نہیں کرسکو گے، تم سے کہا تھا کہ کچھ پوچھنا نہیں، چار و ناچار کہا کہ غلطی ہوگئی، معاف کرنا، بھول گیا تھا۔

بچے کو قتل کردیا

اب آگے چلے، کشتی میں سے نیچے اترے تو ایک نابالغ بچہ کھیل رہا تھا، حضرت خضر علیہ السلام آگے گئے، اور جا کر اس کی گردن پکڑی، اور اس کو قتل کر کے اس کی گردن الگ کردی، حضرت موسیٰ علیہ السلام زناٹے آگئے کہ ویسے ہی کسی کو ناحق قتل کرنا تو حرام ہے، اور نابالغ بچے کو قتل کرڈالا، تو نہ رہا گیا اور کہا کہ یہ کیا آپ نے ظلم اور غضب ڈھایا کہ ایک بچہ بالکل نابالغ، معصوم تھا، اٹھا کر اس کو قتل کردیا، تو انہوں نے کہا کہ پہلے ہی میں نے تمہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کرسکو گے، اب موسیٰ علیہ السلام کو پتہ چل گیا کہ اس آدمی کے ساتھ میرا گزارا مشکل ہے، کہا کہ اچھا اگر آئندہ پوچھوں تو مجھے آئندہ ساتھ نہ رکھنا، آگے چلے ایک بستی میں گئے، بستی والوں سے کہا کہ بھئی مہمان ہیں، اور مسافر ہیں، کچھ کھانا پینے کا بندوبست کرو، وہ کچھ بخیل لوگ تھے، انہوں نے انکار کردیا کہ ہم لوگ مہمانی نہیں کریں گے، قریب ہی میں دیکھا کہ ایک دیوار ہے، جو گرنے کے قریب تھی، حضرت خضر علیہ السلام نے

جا کر اس کی مرمت شروع کی، اور اس کو ٹھیک کر دیا، اور سیدھا کر دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا، حضرت اس شہر میں لوگ ہماری مہمانی کرنے کو تیار نہیں تھے، یہ کام ایسا تھا کہ ذرا سی اس پر اجرت مانگ لی ہوتی تو ذرا کھانے پینے کا ہمارا بندوبست ہو جاتا، کہا کہ بس میرا اور تمہارا جدائی کا وقت آ گیا، تم سے پہلے ہی میں نے کہا تھا کہ صبر نہیں کر سکتے۔

ہر کام اپنے پروردگار کے حکم سے کیا

اب سنو! جو کچھ ہوا، اس کا کیا قصہ تھا؟ فرمایا: جو کشتی کا میں نے تختہ توڑا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ جس علاقے میں کشتی جا رہی تھی، وہاں کا بادشاہ ہر کشتی کو جو ذرا اچھی ہوتی تھی، اپنے قبضے میں لے لیتا تھا، اور یہ بیچارے مسکین لوگ تھے، جو سمندر میں کام کر رہے تھے، اگر یہ کشتی صحیح سالم وہاں پہنچتی تو بادشاہ اس پر قبضہ کر لیتا، یہ کشتی ان کے ہاتھ سے نکل جاتی، لہٰذا بادشاہ کے ظلم سے بچانے کے لئے میں اس کے اندر عیب پیدا کر دیا تھا، تاکہ بادشاہ کی نظر اس پر نہ پڑے، اور وہ جو بچہ تمہیں کھیلتا ہوا نظر آیا تھا، میں نے اس کو قتل کر دیا، بات یہ تھی کہ اس کے والدین بڑے نمازی اور نیک مسلمان تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کو پتہ تھا کہ اگر یہ بچہ بڑا ہوگا تو بڑے ہو کر اپنے والدین کو بھی کفر و شرک میں مبتلا کر دے گا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اس کو ختم کر دو، اور اس کی جگہ ان کو دوسرا بیٹا عطا کر دو، جو نیک بیٹا ہوگا، اور دیوار جو میں نے سیدھی کی تو درحقیقت اس دیوار کے نیچے دو یتیم بچوں کا خزانہ دبا ہوا تھا، اگر یہ دیوار گر جاتی تو لوگ ان کے خزانے پر قبضہ کر کے ان کو محروم کر دیتے، اس واسطے ہم نے

چاہا کہ یہ بچے بڑے ہو جائیں، اور بڑے ہو کر اس دیوار کے نیچے سے اپنا خزانہ نکال لیں، ان میں سے کوئی کام میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا، جو کام بھی میں نے کیا، پروردگار کے حکم سے کیا۔

ہر کام کے پیچھے حکمت پوشیدہ تھی

یہ سارا منظر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس لئے دکھایا کہ ظاہری نظر میں ان میں سے ہر کام برا تھا، کشتی کا تختہ توڑ دینا، نابالغ بچہ کو قتل کر دینا، ہر کام دیکھنے میں برا تھا، لیکن وہ ذات جو اس پوری کائنات کا نظام چلا رہی ہے، اس کو پتہ ہے کہ کس وقت کون سا کام اس کائنات کی مصلحت کے مطابق ہے؟ وہ اپنی حکمت سے اپنے علم سے کرتا ہے، اس کا علم بھی کامل، اس کی حکمت بھی کامل، اس کی مصلحت بھی کامل، تم تو چھوٹی سی عقل لے کر، چھوٹا سا علم لے کر، چھوٹی سی خواہش لے کر، چھوٹا سا دماغ لے کر اس کے دائرے میں سوچتے ہو، اور یہ کہتے ہو کہ یہ بات بہت بری ہوگئی، یہ بات بہت خراب ہوگئی، لیکن وہ ذات جو اس کائنات کا نظام چلا رہی ہے، اس کو بھی پتہ ہے کہ کون سا کام کس وقت میں فائدہ مند ہے، اور کون سا کام حکمت اور مصلحت کے مطابق ہے، یہ ہے ''رب العالمین'' یہ ہے تمام کائنات کے نظام کو چلانے والا، اس کو پالنے والا، اس کی پرورش کرنے والا، اس کا پالنہار، لہذا کوئی کام اس کائنات میں ایسا نہیں جو حکمت اور مصلحت کے خلاف ہو، اقبال مرحوم نے کہا:

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کے عین مطابق ہو رہا ہے، اس کائنات کے نظام کا تقاضہ یہی ہے، اس کائنات کی مصلحت کا تقاضہ یہی ہے، ہاں! تم چونکہ معمولی سی عقل لئے بیٹھے ہو، چھوٹا سا علم لئے بیٹھے ہو، کائنات کی مصلحتوں کا علم نہیں ہے۔

اللہ کے فیصلے پر راضی رہو

اسی وجہ سے کسی واقعہ پر تم رنجیدہ ہوتے ہو، کسی واقعہ پر تمہیں تکلیف ہوتی ہے، کسی واقعہ پر صدمہ کرتے ہو، چلو صدمہ کرلو، لیکن ساتھ ساتھ یقین رکھو کہ اگرچہ مجھے صدمہ ہو رہا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ، اس کی مشیت اور اس کی حکمت کے عین مطابق ہے، اسی کا نام صبر ہے کہ چاہے آدمی کو تکلیف پہنچ رہی ہو، رو بھی رہا ہو، آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہوں، غم کا اظہار بھی کر رہا ہو، لیکن دل اس بات پر مطمئن ہو کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہو رہا ہے، اسی کی حکمت و مصلحت کے مطابق ہو رہا ہے، ہم اسی کے فیصلے پر راضی ہیں، یہ ہے صبر۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۝ (البقرۃ: ۱۵۵، ۱۵۶)

ہم تمہیں آزمائیں گے، کبھی تم پر خوف کی حالت طاری ہو جائے گی، کبھی بھوک کی تکلیف میں مبتلا ہو جاؤ گے، کبھی تمہارے مال میں کمی آجائے گی، کبھی تمہاری جانوں میں کمی آجائے گی، کبھی تمہارے عزیز، تمہارے رشتہ دار، تمہارے

بھائی، تمہارے دوست میں سے کوئی دنیا سے رخصت ہو جائے گا، اور کبھی تمہاری پیداوار میں کمی آجائے گی، یہ سب ہوگا، اس کے ذریعہ ہم تم کو آزمائیں گے، لیکن خوشخبری دیدو ان صبر کرنے والوں کو، جب ان کو کوئی مصیبت پہنچے تو کہتے ہیں ہم تو اللہ تعالیٰ کے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں ''اللہ کے ہیں'' کیا معنی؟ مطلب یہ ہے کہ ساری کائنات کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، جو کچھ ہو رہا ہے، اس کی حکمت اور مصلحت کے مطابق ہو رہا ہے، ہم سب کو اسی کے پاس لوٹ کے جانا ہے، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کے لئے ان کے پروردگار کی طرف سے رحمتیں ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو سیدھے راستے پر ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے ہی سیدھے راستے پر رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خلاصہ

میرے بھائیو! اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا جو کلمہ ہے، جو تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو رب ہے سارے جہانوں کا، یہ دلیل ہے کہ اس بات کی کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ برحق ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ کی مشیت، مصلحت اور حکمت کے مطابق ہو رہا ہے، اس پر ایمان لانا ایک مؤمن کا کام ہے، چاہے اس کا دل سلگ رہا ہو، دل میں صدمہ ہو رہا ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی رہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا وہ برحق ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس حقیقت کے ادراک کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمیں ایمان پر ثابت قدم رکھے، آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تفسیر سورۃ الفاتحہ

(۲)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

عدنان ضمیر مرزا

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم

گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر سورۂ فاتحہ (۲)

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تعالیٰ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وبارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ، آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین، والحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

بزرگان محترم و برادران عزیز! سورۂ فاتحہ کی تفسیر کا بیان چل رہا ہے، اس سورت میں سات آیتیں ہیں، اور پہلی آیت کا بیان پچھلے جمعہ میں بقدر ضرورت ہو گیا، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، جو پرورش کرنے والا ہے تمام جہانوں کا۔

کائنات میں بے شمار عالم

''عالمین'' جمع ہے عالم کی، جہان کو عالم کہتے ہیں، اور جمع کا صیغہ استعمال کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بات واضح کی کہ اس کائنات میں بہت سارے عالم پائے جاتے ہیں، بہت سے جہاں ہیں، ایک جہاں وہ ہے جو ہمیں اور آپ کو اپنی آنکھوں سے نظر آرہا ہے، وہ یہ دنیا ہے، اور اس دنیا کی بھی بہت ساری چیزیں ہمیں آنکھوں سے نظر نہیں آتیں، نہ جانے کیا کیا مخلوقات اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دنیا کے اندر پیدا فرمائی ہیں، انسان ہیں، جانور ہیں، جانوروں کا ایک جہاں ہے، جانوروں کی بھی انواع واقسام ہیں، زمین پر پاؤں سے چلنے والے، رینگنے والے، خشکی پر رہنے والے، پانی میں رہنے والے، غرض اتنی قسمیں ہیں ان مخلوقات کی جن کا شمار ممکن نہیں، ہمیں زمین کی ظاہری سطح پر جو چیزیں نظر آتی ہیں، بس انہی کو جہاں سمجھتے ہیں۔

سمندر میں جہاں آباد ہے

لیکن سمندر کے اندر، سمندر کی تہہ میں کیا جہاں پوشیدہ ہے؟ اکثر انسانوں کو اس کا پتہ نہیں، مجھے دو مرتبہ سمندر کی تہہ میں جانے کا اتفاق ہوا، آب دوز کے ذریعہ، نیچے اترنے کے بعد ہی نظر آیا کہ سمندر کے نیچے جو کائنات ہے، جو ہماری سمندر کے اوپر کی کائنات سے کئی زیادہ کشادہ اور وسیع ہے، سمندر کے اندر جنگلات ہیں، پہاڑ ہیں، جانوروں کی اتنی قسمیں ہیں کہ جن کا شمار ممکن نہیں، جن کی گنتی ممکن نہیں، عجیب رنگوں کے رنگ برنگے جانور، پہاڑ اور جنگلات اور صحراء اور ریگستان

، ایک ڈیڑھ گھنٹے اس میں رہنے کا اتفاق ہوا، کائنات کا ایک عظیم جہان ہے، جو اللہ تعالیٰ نے دکھایا، غرض انسان کی عقل احاطہ نہیں کرسکتی ان مخلوقات کا جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائیں، اور وہ سارے جہاں اللہ تعالیٰ ہی پال رہے ہیں، وہی ان کی روزی کا انتظام کر رہے ہیں، وہی ان کو پیدا کر رہے ہیں، وہی ان کو پلا اور بڑھا رہے ہیں، ان کی ساری ضروریات کی تکمیل سمندر کی تہہ کے اندر ہو رہی ہے، جو پروردگار ہے عالمین کا، ایک عالم کا نہیں، یہ جو میں نے ساری بات ذکر کی وہ تو صرف دنیا ہے۔

یہ دنیا نقطہ کے برابر بھی نہیں

دنیا کو اگر پوری کائنات کے اندر دیکھو تو ایک چھوٹا سا نقطہ بھی نہیں ہے، دنیا تو ایک چھوٹا سا سیارہ ہے، اگر پوری کائنات کے آگے دیکھا جائے تو ایک نقطہ کے برابر بھی نہیں ہے، کتنے سیارے ہیں جو کائنات کے گرد ہر وقت گردش میں ہیں، آج کے سائنسدانوں نے جو بڑی بڑی دوربینیں ایجاد کی ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ لاکھوں نوری سال تک دیکھنے کے بعد بھی کائنات کی انتہا نہیں۔

نوری سال کا مطلب

نوری سال کی اصطلاح سائنسدانوں نے ایجاد کی، اس وجہ سے کہ فاصلوں کی گنتی ختم ہوگئی، آپ اگر کہیں کہ لاکھوں ارب اور کھرب، لیکن کھرب کے بعد تو ہمارے پاس کوئی گنتی کا راستہ نہیں، تو انہوں نے ایک نئی اصطلاح ایجاد کی کہ اگر روشنی کی ایک کرن سال بھر تک سفر کرے تو جتنا فاصلہ وہ سال بھر میں طے کرے گی، وہ ایک نوری سال ہوگا، اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ سورج زمین سے ایک کروڑ

چھیاسی لاکھ میل دور ہے، اور وہاں سے جب سورج نکلتا ہے اور اس کی کرن جب زمین پر آتی ہے تو آٹھ سیکنڈ میں پہنچتی ہے، تو آٹھ سیکنڈ میں ایک کروڑ چھیاسی لاکھ میل طے کرتی ہے، اب اگر وہ سال بھر تک فاصلہ طے کرتی رہے تو ایک نوری سال کہلائے گا، اور کہتے ہیں کہ لاکھوں نوری سال پر کائنات پھیلی ہوئی نظر آتی ہے، اس کے بعد انسان کا علم ختم ہو جاتا ہے، اور اس کی دوربین جواب دے جاتی ہے، کیا کائنات ہے جو اس نے پیدا فرمائی ہے، اور وہ سب کی تخلیق کر رہا ہے، اور سب کا نظام چلا رہا ہے، سب کی پرورش کر رہا ہے، الحمد للہ رب العالمین، وہ رب ہے جو تمام عالموں کا پالنے والا ہے، یہ تو اس کی ایک آیت کا بیان ہوا۔

دوسری آیت

دوسری آیت میں فرمایا الرحمٰن الرحیم وہ باری تعالیٰ تمام جہانوں کی پرورش تو کر ہی رہا ہے، اس کی خاص صفت یہ ہے کہ وہ سب پر رحم کرنے والا ہے، اور بہت رحم کرنے والا ہے، الرحمٰن الرحیم یہ دو الگ الگ لفظ قرآن کریم نے استعمال کئے، کیونکہ اردو میں کوئی اور ترجمہ ممکن نہیں، اس لئے عام طور سے ترجمہ یہی کیا جاتا ہے کہ جو بہت مہربان ہے، نہایت رحم کرنے والا ہے، لیکن عربی زبان کے لحاظ سے دونوں کے معنی میں فرق ہے، الرحمٰن اس ذات کو کہا جاتا ہے جس کی رحمت بہت وسیع ہو، یعنی ہر ایک کے اوپر اس کی رحمت ہو، اس کو رحمٰن کہا جاتا ہے، اور رحیم اس ذات کو کہتے ہیں جس کی رحمت بہت زیادہ ہو، اور مکمل ہو، دونوں میں فرق یہ ہے، الرحمٰن میں وسعت زیادہ ہے، اور الرحیم میں گہرائی زیادہ ہے،

انگریزی میں جسے کہا جاتا کہ ایک Extensive اور ایک ہوتا ہے Intensive الرحمٰن Extensive رحمت ہے، جو تمام کائنات کو شامل ہے، اور الرحیم Intensive رحمت ہے، یعنی وہ جو مکمل رحمت ہے، بہت زیادہ رحمت ہے، یہ دونوں میں فرق ہے۔

صفت رحمٰن کا مظاہرہ

باری تعالیٰ کی صفت رحمٰن کا مظاہرہ ہوتا ہے، دنیا میں یعنی اس کی رحمت ہر ایک کو شامل ہے، یعنی وہ اپنی رحمت سے سب کو رزق دے رہا ہے، سب کی پرورش کر رہا ہے، سب کو اس نے دنیا کی نعمتوں سے سرفراز کیا ہوا ہے، چاہے مسلمان ہو، چاہے کافر ہو، چاہے اس کا دوست ہو، چاہے اس کا دشمن، سب پر اللہ کی رحمت پھیلی ہوئی ہے، اس کی رحمت کا آپ اس سے اندازہ کیجئے کہ جو اللہ تعالیٰ کے وجود تک کے قائل نہیں، وجود کا انکار کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر کمر باندھے ہوئے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے وجود کا العیاذ باللہ مذاق اڑاتے ہیں، ان کو بھی اللہ تعالیٰ رزق دے رہا ہے، اور خوب دے رہا ہے، شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

ادیم زمیں سفرۂ عام اوست

بریں خوانِ یغماچہ دشمن چہ دوست

کہ یہ زمین کی سطح اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھیلا ہوا دسترخوان ہے، اور اس دسترخوان پر سب کھا رہے ہیں، چاہے اللہ کا دشمن ہی کیوں نہ ہو، اور وہ بھی کھا رہا ہے جو دوست ہے، اور وہ بھی کھا رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر کمر باندھا ہوا ہے،

ان کو دیکھو، کس طرح اللہ تعالیٰ ان کو پروان چڑھا رہے ہیں، پرورش ان کی بھی ہو رہی ہے، صحت ان کو بھی ملی ہوئی ہے، روپیہ پیسہ بھی ان کو دیا گیا ہے، کھانے کو رزق ان کو بھی مل رہا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی رحمت دنیا میں پھیلی ہوئی ہے، اور بہت پھیلی ہوئی ہے، وہ مسلمان پر بھی کافر پر بھی ہے، دنیا کی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ کافروں کو بھی دی ہیں، تو رحمٰن کے معنی ہوئے جس کی رحمت وسیع ہو۔

صفت الرحیم کا مظاہرہ

اور الرحیم کے معنی جس کی رحمت مکمل ہے، کامل ہے، بہت زیادہ ہے، اس کا مظاہرہ آخرت میں ہوگا، وہاں کافروں پر تو رحمت نہیں ہوگی، آخرت میں جو اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں ان کے ساتھ رحمت کا معاملہ نہیں ہوگا، لیکن جو ایمان والے ہیں ان پر مکمل رحمت ہوگی۔

دنیا میں رحمت مکمل نہیں

یہاں دنیا میں رحمت بے شک ہے، لیکن مکمل نہیں ہے، بلکہ دنیا کے اندر ہر راحت کے ساتھ تکلیف کا کانٹا لگا ہوا ہے، کوئی خوشی آتی ہے تو مکمل نہیں ہوتی، اس کے اندر بھی کوئی نہ کوئی رنج کا کانٹا لگا ہوا ہوتا ہے، کوئی راحت ملتی ہے تو وہ راحت مکمل نہیں ہوتی، اس کے اندر بھی کوئی نہ کوئی تکلیف کا شائبہ ہوتا ہے، کوئی بڑے سے بڑا حکمران، بڑے سے بڑا بادشاہ، بڑے سے بڑا ڈکٹیٹر، بڑے سے بڑا سرمایہ دار یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ مجھے راحت ہی راحت میسر ہے، بلکہ یہاں تکلیف بھی آتی ہے، پریشانی بھی آتی ہے، غم بھی آتا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا بنائی ہی ایسی ہے۔

تین عالم

خوب سمجھ لیجئے! اللہ تعالیٰ نے تین عالم پیدا کئے ہیں، ایک عالم وہ ہے جس میں خوشی ہی خوشی ہے، راحت ہی راحت ہے، آرام ہی آرام ہے، جہاں تکلیف کا گزر نہیں، غم کا گزر نہیں، اور وہ ہے جنت، اور ایک عالم وہ ہے جس میں تکلیف ہی تکلیف ہے، اللہ بچائے صدمہ ہی صدمہ ہے، عذاب ہی عذاب ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو محفوظ رکھے (آمین) اور وہ ہے دوزخ، اور تیسرا عالم وہ ہے جس میں دونوں چیزیں ملی جلی ہیں، تکلیف بھی ہے، راحت بھی ہے، خوشی بھی ہے، غم بھی ہے، یہ دنیا ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے، سب پر چھائی ہوئی ہے، لیکن مکمل نہیں، بلکہ کوئی نہ کوئی تکلیف کا کانٹا ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا ہے، یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی سنت ہے، کوئی بھی فرد بشر اس سے مستثنیٰ نہیں، بڑے سے بڑا دولت مند لے لو، جس کے پاس دنیا کی آسائش کے سارے سامان مہیا ہیں، اس سے پوچھو کہ کیا راحت کے علاوہ کبھی کوئی تکلیف بھی پہنچی یا نہیں پہنچی؟ تو جواب میں وہ بے شمار دکھڑے روئے گا کہ مجھے فلاں تکلیف ہے، اور فلاں پریشانی ہے، تو نہ راحت مکمل ہے، نہ تکلیف مکمل ہے، چونکہ یہ دنیا ہے، اس میں تکلیفیں بھی آتیں ہیں، اس میں غم اور صدمے بھی آتے ہیں، اس واسطے یہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع تو ہے، لیکن مکمل نہیں، مکمل وہاں ہوگی جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیغام ملے گا جنت میں جانے والوں کو کہ آج کے بعد تم پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ کوئی صدمہ ہوگا، لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کہ آج کے بعد تمہیں نہ کوئی اندیشہ اور نہ کوئی غم ہوگا۔

دنیا میں دھڑکہ اور اندیشہ

دیکھو! اگر دنیا میں آپ دستر خوان پر بیٹھے ہوئے ہوں، اور بہت لذیذ کھانا آپ کے سامنے ہو، اور بھوک بھی لگی ہوئی ہو، اور آپ کھانا کھا رہے ہوں، لذت لے رہے ہوں، لیکن ساتھ ساتھ دل میں ایک خدشہ ضرور لگا ہوا ہے کہ کہیں بدہضمی نہ ہو جائے، پیٹ خراب نہ ہو جائے، یہ دھڑکہ ضرور لگا ہوا ہے، اور اسی وجہ سے ایک حد میں جا کر دل بھر جائے گا، اور نہیں کھایا جائے گا، اگر اور کھاؤ گے تو پیٹ خراب ہو جائے گا، یہ دھڑکہ لگا ہوا ہے، لیکن جنت میں اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں ہوں گی، ان سے نہ بدہضمی کا اندیشہ ہوگا، نہ پیٹ خراب ہونے کا اندیشہ ہوگا، نہ موت کا اندیشہ ہوگا، اس کے اندر کوئی تکلیف کا شائبہ نہیں، اس کے اندر کوئی رنج و غم اور صدمہ کا شائبہ نہیں، لہٰذا وہاں جو راحت ہے وہ مکمل ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو عطا فرمائے (آمین) تو یہ رحمت ہے مکمل، وہ رحمٰن بھی ہے، اس کی رحمت بہت وسیع ہے، پھیلی ہوئی ہے، اور رحیم بھی ہے، اس کی رحمت بڑی مکمل ہے، اسی لئے بزرگوں نے باری تعالیٰ کے بارے میں فرمایا "رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَرَحِيْمَ الْآخِرَةِ" دنیا میں وہ رحمٰن ہے، اور آخرت میں وہ رحیم ہے، اس کی رحمت مکمل ہے، یہ دو صفتیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورہ فاتحہ کی ایک آیت الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ میں بیان فرمائیں، اور اشارہ اس بات کی طرف فرما دیا کہ باری تعالیٰ کی اصل صفت رحمت ہے۔

رحمت غصہ پر غالب ہے

اور ایک حدیث قدسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تبارک و تعالیٰ

کا یہ ارشاد نقل فرمایا کہ:

سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ

میری رحمت میرے غصہ پر غالب ہے، یعنی رحمت زیادہ ہے تو اصل صفت اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں پر رحمت کرنے والا ہے، ہاں بندے اگر نافرمانی کی روش اختیار کرلیں، بندے بندہ بننے سے انکار کردیں، بندے اللہ کی رحمت قبول کرنے سے انکار کردیں، تو پھر باری تعالیٰ ان کو سزا بھی دیتے ہیں، دیکھو! کتنے پیار سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ (النساء:۱۴۷)

اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟ اگر تم شکر گزار رہو، اور ایمان لاؤ۔ کیا اللہ تعالیٰ کو مزہ آتا ہے تمہیں عذاب دینے میں؟ یہ اللہ تعالیٰ نے کتنے پیار سے فرمایا کہ کیا کرے گا اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ؟ یہ بتلانا منظور ہے کہ ہماری اصل صفت رحمت ہے اپنے بندوں کے اوپر، اور باری تعالیٰ کی رحمت اپنے بندوں کو نوازنے کے بہانے ڈھونڈتی ہے، غضب اس وقت آتا ہے جب بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا نافرمان بن جائے، نافرمانی کی روش اختیار کرلے۔

غلطی ہوگئی ہے تو توبہ کرلو

باری تعالیٰ تو یہ کہتے ہیں کہ خدا کے بندو! اگر تم سے غلطی بھی ہوگئی ہے، گناہ بھی ہوگئے ہیں، تو آجاؤ ہمارے پاس، نادم ہوکر آجاؤ، شرمسار ہوکر آجاؤ، اور توبہ کرلو، مغفرت مانگ لو، تو تمہارے گناہوں کو بھی معاف کردوں گا۔

يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ، اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا. (الزمر:۵۳)

کیسے پیار سے اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں، اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو، یقین رکھو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ سارے گناہوں کو معاف کر سکتا ہے۔

لیکن آؤ تو سہی ہمارے پاس، ایک مرتبہ بندے بن کر آؤ تو سہی، توبہ تو کرو، ندامت کا کچھ اظہار تو کرو کہ یا اللہ غلطی ہوگئی معاف کر دیجئے، تو ہم تمہارے لئے تمہارے گناہ بھی معاف کرنے کو تیار ہیں، تمہاری خطائیں معاف کرنے کو تیار ہیں، ہماری رحمت تو اتنی بڑی ہے، ستر سال انسان نے گناہوں میں گزارے ہوں، کوئی نیکی کا کام نہ کیا ہو، لیکن اس کے بعد ہوش آجائے اور اللہ تعالیٰ کے حضور آکر کہہ دے: اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَيْهِ. اور سچے دل سے توبہ کرلے اور پھر آئندہ اپنی اصلاح کا عزم کرلے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارے ستر سال کے گناہ بھی معاف کر دوں گا۔

گناہوں پر اصرار مت کرو

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ص وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ص وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (آل عمران: ۱۳۵)

اگر ان سے کوئی بے حیائی کا کام سرزد ہوگیا، یا انہوں نے کوئی گناہ کر کے اپنی جانوں پر کوئی ظلم کرلیا، پھر بعد میں اللہ کو یاد کرلیا، اور اپنے گناہوں کی معافی مانگ لی، اللہ کے سوا کون ہے جو تمہارے گناہوں کو معاف کرے، شرط یہ ہے کہ جو کچھ کر گزرے ہیں اس پر اصرار نہ کریں کہ ہاں ہم نے ٹھیک کیا، جانتے بوجھتے اس کے اوپر اصرار نہ کریں، بلکہ نادم ہو کر، شرمسار ہو کر، ہماری بارگاہ میں آجائیں، تو ہم سب معاف کر دیتے ہیں، دیکھو! کتنے پیار سے باری تعالیٰ بلا رہے ہیں، قرآن کریم میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ یہ بتلا رہے ہیں کہ میری اصل صفت تو رحمت کی صفت ہے، جو غالب ہے میرے غضب کے اوپر، لہٰذا ناامید نہ ہو، اور جب بھی ہوش آجائے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد آجائے تو آجاؤ میرے پاس، مجھ سے معافی مانگ لو، استغفار کرلو، توبہ کرلو، آئندہ کے لئے اپنی اصلاح کا عزم کرلو، تو میں تمہیں معاف کردوں گا۔

اللہ تعالیٰ کی اصل صفت رحمت ہے

تو سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت کے بعد پہلا لفظ جو استعمال کیا، وہ رحمت کی صفت کا ہے۔ اور دیکھو تو پوری سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک صفت تو رب العالمین بیان فرمائی، ایک رحمٰن ایک رحیم اور آگے مالک یوم الدین، لیکن کہیں کوئی غصہ والی صفت نہیں بیان فرمائی، غضب والی صفت بیان نہیں کی، اس واسطے کہ غضب تو ایک ایسی صفت ہے جس کا مظاہرہ باری تعالیٰ بہت کم فرماتے ہیں، ورنہ اصل صفت باری تعالیٰ کی رحمت کی صفت ہے، تو سورۃ الفاتحہ میں اس

صفت کا ذکر کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اور آپ کو دعوت دیتے ہیں کہ خدا کے لئے میری اس رحمت کی صفت سے فائدہ اٹھالو، اور فائدہ اٹھانے کا راستہ یہی ہے کہ میرے پاس شکر گزار بندے بن کر آؤ، اگر غلطی بھی ہوگئی ہے تو ہم جانتے ہیں تم انسان ہو، بشر ہو، غلطیوں کا پتلا ہو، غلطیاں تم سے ہوں گی، یہ بھی ہم جانتے ہیں، لیکن اس غلطی کا تریاق ہم نے تمہیں عطا کر رکھا ہے کہ جب کبھی غلطی ہو جائے تو اس پر سینہ تان کر سینہ زوری نہ کرو، اس پر اصرار نہ کرو، اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش نہ کرو، بلکہ نادم ہو کر میری بارگاہ میں آجاؤ کہ یا اللہ غلطی ہوگئی، مجھے معاف فرما دیں، جس وقت یہ کرلو گے اسی وقت معاف فرما دیں گے، یہ تریاق میں نے تم کو عطا کر رکھا ہے، بہرحال! الرحمٰن الرحیم میں رحمت کی صفت کا ذکر کر کے ایک تو اس طرف توجہ دلائی کہ اے میرے بندو! میری رحمت سے فائدہ اٹھاؤ۔

دوسروں کے ساتھ رحمت کا معاملہ کرو

دوسری بات جو اس سے نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ رحمٰن ہیں، رحیم ہیں، اس کی اصل صفت رحمت کی صفت ہے، تو ہم بندوں سے بھی وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحمت کا معاملہ کریں، ظلم کا معاملہ نہ کریں، حق تلفیاں نہ کریں، بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ رحمت کا معاملہ کریں، دیکھئے! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حدیث پڑھانے والے محدثین اساتذہ کا صدیوں سے معمول رہا ہے کہ جب کوئی طالب علم ان کے پاس حدیث پڑھنے جاتا تو سب سے پہلے وہ ان کو یہ حدیث سنایا کرتے تھے، اسی لئے اس حدیث کو مسلسل بالاوّلیت

کہا جاتا ہے، اس میں تسلسل یہ قائم ہے کہ جب بھی کوئی شاگرد اپنے استاد کے پاس حدیث پڑھنے گیا تو سب سے پہلے یہ حدیث اس کو سناتے تھے، وہ کیا حدیث ہے؟
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى، اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ.

''جو لوگ دوسروں پر رحم کرتے ہیں، ان پر رحمٰن رحم کرتا ہے، زمین والوں پر تم رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا''۔

سبق یہ دیا جارہا ہے کہ جب ہم رحمٰن ہیں، ہم رحیم ہیں، تمہارے ساتھ قدم قدم پر رحمت کا معاملہ کرتے ہیں، تمہارا سارا وجود سر سے لے کر پاؤں تک ہماری رحمت کا مظہر ہے، تو پھر ہماری دوسری مخلوق کے ساتھ بھی تو رحمت کا برتاؤ کرو، ہماری دوسری مخلوق کے ساتھ بھی پیار و محبت کا معاملہ کرو، ظلم کا، سنگ دلی کا معاملہ مت کرو، رحم کا برتاؤ کرو، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنی مخلوق پر رحم کرنا اتنا پسند ہے کہ کئی واقعات حدیث میں ایسے آتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اس بناء پر کسی انسان کی مغفرت فرمادی کہ اس نے اللہ کی کسی مخلوق پر رحم کیا۔

ہمارے لئے تین پیغام تین سبق

تو بھئی سورۃ الفاتحہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے رب العالمین کے بعد الرحمٰن الرحیم کی صفت بیان فرمائی، اس سے تین باتیں ہمارے لئے سبق کی نکلتی ہیں، ایک

یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اصل صفت رحمت کی ہے، جو غالب ہے اس کے غضب پر،
دوسری یہ کہ بندوں کو یہ پیغام دیا جارہا ہے کہ جب ہم رحمٰن اور رحیم ہیں تو ہماری
رحمت سے فائدہ اٹھاؤ، اور اپنی غلطیوں اور گناہوں سے توبہ کرلو، استغفار کرلو،
معافی مانگ لو، آئندہ اپنے آپ کی اصلاح کرنے کا عزم کرلو، پھر غلطی ہوجائے
نادانی میں تو پھر آجاؤ، پھر توبہ کرلو، پھر غلطی ہوجائے تو پھر توبہ کرلو۔

باز آ بازآ ہر آنچہ ہستی بازآ
گر کافر وگبر و بت پرستی بازآ
ایں درگہ مادرگہ ناامیدی نیست
صد بار گر توبہ شکستی بازآ

''آجاؤ واپس آجاؤ، ہماری یہ درگاہ ناامیدی کی درگاہ نہیں ہے، سو مرتبہ بھی
توبہ توڑ چکے ہو تو پھر آجاؤ ہمارے پاس، پھر بھی ہم تمہاری توبہ قبول کرنے کو تیار
ہیں'' اور تیسرا پیغام یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں پر رحم کرنے والے ہیں تو میرے
بندو! تم بھی اپنے ساتھیوں پر اور دوسری مخلوق پر رحم کر کے دکھاؤ، مخلوق پر جتنا رحم
کرو گے تو اتنا رحمٰن تم پر رحم کرے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں ان
باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے...... آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تفسیر سورۃ الفاتحہ
(۳)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

عدنان ضمیر مرزا

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر سورۂ فاتحہ

(۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً۔ اما بعد فاعوذ باللّٰه من الشیطٰن الرجیم، بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ، آمنت باللّٰه صدق اللّٰه مولانا العظیم، وصدق رسوله النبی الکریم، و نحن علی ذالک من الشاهدین و الشاکرین، والحمد للّٰه رب العٰلمین۔

تین آیات میں تین صفات

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کا بیان چل رہا ہے،

درمیان میں میرے سفروں کی وجہ سے ناغے ہوتے رہے، اس سے پہلے جو بیان ہوئے تھے، وہ سورۃ الفاتحہ کی دو آیتوں کی تشریح پر ہوئے تھے، الحمد للّٰہ رب العالمین، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا" یہ پہلی آیت ہے، اور دوسری آیت ہے، الرحمٰن الرحیم "وہ رحمٰن ہے یعنی بڑی رحمت والا ہے، جس کی رحمت سب کو عام ہے، اور وہ رحیم ہے، جس کی رحمت بہت کامل ہے، پھر آگے تیسری آیت میں فرمایا، مالك یوم الدین "جو مالک ہے روزِ جزاء کا، ان تین آیتوں میں تین صفتیں بیان فرمائی ہیں، پہلی آیت میں فرمایا کہ وہ رب العالمین ہے، دوسری آیت میں فرمایا کہ بہت رحم والا ہے، اور تیسری آیت میں فرمایا کہ روزِ جزاء کا مالک ہے، وہ دن جس میں سب انسان محشر میں اکٹھے ہوں گے، اور ہر شخص کو اپنے اعمال کا جواب دینا ہوگا۔

تین بنیادی عقیدے

ان تین آیتوں میں باری تعالیٰ نے درحقیقت اسلام کے تین بنیادی عقیدوں کی طرف اشارہ فرمایا اور ان کی دلیل بیان فرمائی، اسلام کے تین بنیادی عقائد کیا ہیں؟ ایک ہے توحید یعنی اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا، اور ایک جاننا، دوسرا ہے رسالت یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے بہت سے پیغمبر بھیجے ہیں، اور ان کا سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا ہوا، آپ آخری نبی تھے، اور انسانوں کے ذمے واجب ہے کہ وہ ان پیغمبروں کی بات مانیں، ان کو پیغمبر مانیں، یہ دوسرا عقیدہ ہے، اور تیسرا عقیدہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد ایک زندگی آنے والی ہے، جس میں ہر

انسان کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہے، یہ تین بنیادی عقیدے ہیں اسلام کے، (۱) توحید (۲) رسالت (۳) آخرت۔

پہلی آیت میں عقیدہ توحید

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی جو صفت بیان فرمائی گئی کہ وہ رب العالمین ہے، وہ تمام جہانوں کا پروردگار ہے، پوری کائنات کا نظام وہی چلا رہا ہے، تو یہ باری تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہے، یعنی وہ ذات جو قادر مطلق ہے، جس کی قدرت اتنی بڑی ہے، کہ پوری کائنات کا نظام سنبھالے ہوئے ہے، اس کو اپنی خدائی میں کسی اور کے شریک کرنے کی حاجت نہیں، اس کو یہ ضرورت نہیں ہے کہ کوئی دوسرا اس کی مدد کرے، لہٰذا خدا ہے تو ایک ہی ہے، جب تم نے خدا مان لیا، اور یہ تسلیم کرلیا کہ یہ کائنات خدا کی پیدا کی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے، وہی اس کائنات کا نظام چلا رہا ہے، تو ظاہر ہے کہ اس کے بعد کسی اور کو خدا ماننا اور کسی اور کی عبادت کرنا یہ بالکل عقل کے خلاف بات ہے، تو رب العالمین کی صفت بیان فرما کر دلیل دی گئی ہے توحید کی، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی، جو ایک ہے، اور وہی عبادت کے لائق ہے۔

دوسری آیت میں رسالت کی دلیل

دوسری آیت الرحمٰن الرحیم ہے، اس میں اگر غور کیا جائے تو اس کے معنی تو وہی ہیں جو میں نے پچھلے بیان میں بیان کیے تھے، اور وہ مسائل بھی اس سے نکلتے ہیں جو میں نے پہلے بیان کیے تھے، اس کے ساتھ ساتھ رسالت کے عقیدے کی بھی

ایک دلیل ہے، وہ اس طرح کہ یوں تو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں انسانوں کے اوپر بے شمار ہیں، انسان کو وجود اس نے دیا، انسان کو دیکھنے، ہنسنے، بولنے کی طاقت اس نے دی، چلنے، پھرنے کی طاقت اس نے عطا فرئی، صحت اس نے عطا فرمائی، رزق اس نے عطا فرمایا، نہ جانے کتنی نعمتیں ہیں جن کو انسان شمار نہیں کرسکتا، لیکن انسانیت پر سب سے زیادہ اہم اور ضروری رحمت یہ تھی کہ جب اللہ تعالیٰ انسان کو دنیا میں بھیج رہا ہے تو اس کو اندھیرے میں نہ چھوڑے، دنیا میں بھیجنے کے بعد اس کو اس بات سے ناواقف نہ رکھے کہ دنیا میں اس کو کس طرح زندہ رہنا ہے، کون سے کام کرنے ہیں، کون سے کام نہیں کرنے، اگر اللہ تعالیٰ انسان کو دنیا میں تو بھیج دیتا اور انبیاء کا سلسلہ ایسا جاری نہیں کرتا کہ جس سے اس کو یہ پتہ چلے کہ اس دنیا میں رہ کر اس کو کون سے کام کرنے ہیں، اور کون سے نہیں کرنے، کون سی چیز اچھی ہے، اور کون سی بری ہے، اور کون سے کام وہ ہیں، جو میرے مالک کو خوش کریں گے، اور کون سے کام ایسے ہیں جو اس کو ناراض کریں گے، اگر اللہ تعالیٰ ایسا کوئی سلسلہ قائم نہ کرتا تو یہ بات اس کی رحمت سے منافی تھی، اس کی رحمت کے شایانِ شان نہیں تھی، جب وہ رحمٰن ہے اور رحیم ہے تو ممکن نہیں تھا کہ وہ انسان کو دنیا میں بھیج دے اور اس کو یہ نہ بتائے کہ دنیا میں کس طرح رہنا ہے؟ کیا کرنا ہے، اور کیا نہیں کرنا ہے؟ لہٰذا باری تعالیٰ کی رحمت کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ وہ رسالت اور پیغمبری کا سلسلہ جاری فرمائیں، اپنی اس رحمت سے پیغمبر بھیجیں، اور ان پر وحی نازل کریں، اس وحی کے ذریعہ پیغمبر کو یہ بتائیں اور پیغمبر دنیا کو یہ بتائے کہ کون سا کام جائز ہے، اور کون

سا نا جائز ہے، کون سا کام اچھا ہے، کون سا برا ہے، اور اس دنیا میں رہنے کے لئے
اس کو کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

علم کے حصول کے تین ذرائع

دیکھئے! جب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسان کو بھیجا تو اس میں اس کو ہر ہر قدم
پر علم کی حاجت تھی کہ وہ جانے کہ کیا چیز میرے حق میں مفید ہے، اور کون سے مضر؟
کیا اچھی ہے، کیا بری ہے، کون سی چیز کا کیا مصرف ہے، یہ سارا علم حاصل ہوئے
بغیر انسان دنیا میں زندہ نہیں رہ سکتا تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم عطا کرنے کے لئے
تین مختلف ذرائع عطا فرمائے۔

پہلا ذریعہ علم: حواس خمسہ

ایک ذریعہ دیا ہمارے حواس، آنکھیں، کان، زبان، ناک اور ہاتھ پاؤں،
بہت سی چیزوں کا علم آنکھوں سے دیکھ کر حاصل کر لیتے ہیں، آنکھوں سے نظر آرہا
ہے کہ سامنے جو چیز ہے وہ ایک درخت ہے، تو اس کے درخت ہونے کا علم ہم نے
اپنی آنکھ سے حاصل کیا، بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کا علم ہم اپنی کانوں سے حاصل
کر رہے ہیں، کوئی آواز سنی تو پتہ چل گیا کہ یہ آواز کس کی ہے، اور کیسی ہے، دھماکہ
ہوا، اگرچہ آنکھوں سے تو نظر نہیں آرہا، لیکن پتہ چل گیا کہ دھماکہ ہوا ہے، کسی نے
کوئی ایسی چیز چھوڑی ہے جو ہلاکت والی ہے، کانوں سے پتہ چل گیا، بہت سی
چیزیں ایسی ہیں جن کو ہم زبان سے چکھ کر معلوم کرتے ہیں، کھانا سامنے آیا، زبان
پر رکھا تو پتہ چلا کہ یہ کھٹا ہے یا میٹھا ہے یا نمکین ہے، تو یہ علم ہمیں زبان سے حاصل ہو

رہا ہے، بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو ہاتھ سے چھوکر معلوم کرتے ہیں، یہ جائے نماز ہے، اس کو ہاتھ چھوا تو معلوم ہوا کہ کوئی نرم مادہ سے بنی ہوئی ہے، ملائم ہے، تو بہت سی چیزیں ہاتھ سے معلوم ہو جاتی ہیں، بہر حال! بہت سی چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ ہمیں عطا کرتے ہیں اپنی آنکھ سے، اپنے کان، اپنی زبان سے، اور اپنے ہاتھ سے، بعض کا علم حاصل کرتے ہیں ہم ناک سے، ناک سے کس طرح کہ کوئی پھول دیکھا، سونگھا، اس کی خوشبو معلوم ہوگئی کہ یہ خوشبودار ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کا علم آنکھ سے حاصل ہو رہا ہے، کسی کا ناک سے کسی کا کان سے، کسی کا زبان سے حاصل ہو رہا ہے، اور کسی کا چھوکر حاصل ہو رہا ہے۔

حواس خمسہ کا دائرہ محدود ہے

لیکن ایک جگہ آتی ہے کہ اس موقع پر یہ پانچوں حواس ہمیں علم دینے سے قاصر ہیں، تو اس مرحلے میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک اور چیز عطا فرمائی، وہ ہے انسان کی عقل، وہ اپنی عقل سے سوچتا ہے، عقل اس کو بتاتی ہے، عقل علم عطا کرتی ہے، لیکن ان سب حواس کا ایک دائرہ ہے، جس میں وہ کام کرتی ہیں، اس سے آگے بڑھ کر وہ کام نہیں کرتیں، آنکھ جو ہے وہ دیکھ تو سکتی ہے، سن نہیں سکتی، کان سن تو سکتے ہیں، دیکھ نہیں سکتے، اگر کوئی شخص آنکھ بند کر لے، اور یہ چاہے کہ میں اپنے کانوں سے کوئی چیز دیکھ لوں تو دیکھ نہیں سکتا، کوئی چاہے کہ میں کان بند کرلوں اور آنکھ سے سنوں تو آواز نہیں سن سکتا، غرض ہر ایک کا الگ الگ دائرہ ہے، اسی طرح عقل کا بھی ایک الگ دائرہ ہے، وہ عقل اس جگہ کام دیتی ہے جہاں پر حواس کام نہیں

دیتے، تو وہاں پر اللہ تعالیٰ نے عقل استعمال کرنے کا طریقہ بتایا ہے، مثلاً اس کی آسان مثال یہ ہے کہ یہ مائکروفون ہے، میں نے آنکھ سے دیکھا تو پتہ چل گیا، اس کا رنگ کالا ہے، ہاتھ سے چھوا تو پتہ کہ سخت ہے، پلاسٹک کا بنا ہوا ہے، اور میں اپنی زبان سے جب بولا تو آواز دور تک گئی تو کان سے پتہ چلا کہ یہ آواز دور تک پہنچاتا ہے، تو یہ تینوں باتیں مجھے اپنی آنکھ سے، ہاتھ سے کان سے معلوم ہوگئیں، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مائکروفون کہاں سے آیا؟ تو جس شخص نے اس کو بنایا نہ تو وہ میری آنکھ کے سامنے ہے کہ میں اسے دیکھ سکوں، نہ اس کی آواز میں سن رہا ہوں، کہ آواز سن کر میں پہچان سکوں کہ یہ کس کا بنایا ہوا ہے؟ نہ وہ میرے قریب موجود ہے کہ ہاتھ سے چھوکر اس کا پتہ لگا سکوں، تو اب یہ سوال کہ کس نے بنایا؟ نہ میری آنکھ جواب دے رہی ہے، نہ میرے کان جواب دے رہے ہیں، نہ میرا ہاتھ جواب دے رہا ہے کہ کس نے بنایا؟

دوسرا ذریعہ علم: عقل

یہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک اور چیز دی ہے، اور وہ ہے عقل، عقل مجھے یہ بتاتی ہے کہ یہ آلہ جو کہ بڑا مہنگا ہے، اس کو بڑے خاص طریقے سے بنایا گیا ہے، اس سے آواز دور تک پہنچتی ہے، یہ خود بخود وجود میں نہیں آسکتا، یقیناً کسی ماہر کاریگر نے اس کو بنایا ہے، اور وہ ماہر کاریگر میری آنکھوں کے سامنے نہیں ہے، اس ماہر کاریگر کو میں دیکھ نہیں رہا، اس کو میں چھو نہیں رہا، لیکن یقینی طور پر میں کہہ سکتا ہوں پورے یقین کے ساتھ کہ اس کو کسی ماہر کاریگر نے بنایا ہے، یہ مجھے کہاں سے پتہ چلا کہ ماہر

کاریگر نے بنایا ہے؟ یہ میری عقل نے بتایا، جہاں میرے یہ حواس آنکھ، ناک، کان اور ہاتھ کام نہیں کر رہے تھے، وہاں اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرا ذریعہ علم عطا فرمایا اور یہ بتایا کہ یہ کسی ماہر کاریگر کا بنایا ہوا ہے، یہ علم مجھے کس نے عطا کیا؟ یہ میری عقل نے عطا کیا، اللہ تعالیٰ نے وہ عقل عطا فرمائی ہے انسان کو جو اس نتیجے تک پہنچاتی ہے، لیکن جس طرح آنکھ کا کام غیر محدود نہیں، ایک حد پر جا کر رُک جاتا ہے، کان کا کام غیر محدود نہیں، ایک حد پر جا کر وہ رُک جاتا ہے، اسی طرح میری عقل کا کام بھی غیر محدود نہیں، ایک جگہ ایسی آتی ہے کہ عقل بھی جواب نہیں دے سکتی کہ وہ کیا ہے؟ مثلاً اسی کو سوچو کہ میں نے اپنی آنکھ، کان اور ہاتھ سے تو معلوم کرلیا کہ یہ آلہ ہے جس سے آواز دور تک پہنچتی ہے، اور یہ مائیکروفون ہے، اور عقل سے یہ معلوم کرلیا کہ کسی ماہر کاریگر نے بنایا ہے، لیکن اس آلہ کا کون سا استعمال جائز ہے؟ کون سا ناجائز ہے؟ کون سا اچھا ہے؟ کون سا برا ہے؟ کس سے فائدہ ہوگا؟ کس سے نقصان ہوگا؟ یہ سوال جب میرے سامنے آیا تو نہ میری آنکھ اس کا جواب دے سکتی ہے، نہ کان دے سکتا ہے، نہ زبان دے سکتی ہے، نہ ہاتھ دے سکتے ہیں، اور نہ عقل دے سکتی ہے، کیونکہ عقل ہر ایک آدمی کی مختلف ہے، کوئی کہے گا کہ بہت اچھی بات ہے اگر اس میں گانے سنائیں جائیں، لوگ بہت خوش ہوں گے، ایک آدمی کی عقل یہ کہہ رہی ہے، دوسرے آدمی کی عقل یہ کہہ رہی ہے کہ نہیں صاحب اگر اس میں گانے لگائے جائیں گے تو لوگوں کے اخلاق خراب ہوں گے، تو آدمیوں کی عقلیں مختلف ہیں، تو عقل جا کر وہاں Confuse ہوگئی، کسی کی عقل کچھ کہہ رہی ہے، کسی کی

عقل کچھ کہہ رہی ہے، تو عقل مجھے کوئی حتمی جواب نہیں دے پاتی، کوئی یقینی جواب نہیں دے پاتی، ایسی جگہ جہاں حواس بھی کام چھوڑ دے، عقل نے بھی جواب دینا بند کر دیا، یا اس نے Confuse کرنا شروع کر دیا، اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔

تیسرا ذریعہ علم: وحی الٰہی

اس صورت میں اللہ تعالیٰ نے تیسرا ذریعہ علم انسان کو عطا فرمایا ہے، اس کا نام وحی الٰہی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے، وہ بتاتی ہے کہ کون سا کام اچھا ہے، اور کون سا برا ہے، کون سا جائز ہے اور کون سا ناجائز ہے، وحی بھیجنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کچھ برگزیدہ بندوں کو منتخب فرمایا، اور ہر انسان کے پاس وحی آتی تو ہر انسان اس کا متحمل نہیں تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندے پیدا فرمائے اور ان کے اوپر وحی نازل فرمائی، جو انسان کو بتاتی ہے کہ کون سا کام اچھا ہے، کون سا برا ہے، کون سا جائز ہے، کون سا ناجائز ہے، کون سا حلال ہے اور کون سا حرام ہے، ان برگزیدہ بندوں کا نام ہے اللہ کے پیغمبر، اللہ کے رسول، اور ان پر جو احکام نازل ہوتے ہیں، ان کا نام ہے وحی الٰہی۔

وحی الٰہی اللہ کے اختیار میں ہے

اس وحی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر رحمت کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے کہ یہ ہماری رحمت ہے، فرمایا:

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ (الزخرف: ۳۲)

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں اپنے پیغمبر ہونے کا اعلان

فرمایا اور قرآن کریم لوگوں کو سکھانا شروع کیا کہ یہ میرے پاس وحی کے ذریعہ اللہ کا کلام آرہا ہے، تو بعض نادانوں نے یہ اعتراض کیا کہ اگر وحی اللہ تعالیٰ کو نازل کرنی تھی تو کسی بڑے دولت مند انسان پر نازل کردیتے، کسی بڑے سردار پر کردیتے، ہمارے علاقے میں دو بڑے بڑے شہر ہیں، مکہ ہے، طائف ہے، اس وقت یہ دو بڑے شہر تھے، وہاں پر کسی سردار کے اوپر نازل کردیتے یہ کیا بات ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل کردی قرآن نے اس کے جواب میں فرمایا:

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ (الزخرف:۳۲)

''کیا ان کے کنٹرول اور اختیار میں ہے کہ اللہ کی رحمت کس کو دی جائے اور کس کو نہ دی جائے؟ کیا اپنے پروردگار کی رحمت کو یہ لوگ تقسیم کریں گے؟''

رحمت سے مراد یہاں پر ''وحی'' ہے، کیا یہ طے کریں گے کہ کس پر وحی نازل ہو اور کس پر نہ ہو؟ اگر انسان کے ہاتھ میں یہ نظام دے دیا جائے کہ بھئی تم طے کرو کہ کس پر وحی نازل ہو؟ تو یہ انسان تو ایسے ہیں کہ ان کے دل میں خواہشات نفس ہیں، یہ کہیں اپنی قبائلی عصبیت کی بنیاد پر کہہ دیں گے کہ فلاں شخص صحیح ہے، فلاں شخص صحیح نہیں۔

انسانوں کی رائے کا اختلاف

دیکھ لو کہ اگر اسمبلی کا ممبر ہی بنانا ہو تو کتنا اختلاف رائے پیدا ہوتا ہے، ایک کہہ رہا ہے کہ اس کو بناؤ، دوسرا کہہ رہا ہے کہ اس کو بناؤ، تیسرا کہہ رہا ہے کہ میں اچھا ہوں، چوتھا کہہ رہا ہے کہ میں اچھا ہوں، اگر انسانوں کے قبضے میں دیدیا جاتا کہ تم

فیصلہ کرو کہ کس پر وحی نازل ہو؟ بتاؤ متفقہ طور پر انسان یہ کہہ سکتے تھے، تو فرماتے ہیں

أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (الزخرف:۳۲)

کیا تمہارے پروردگار کی رحمت کو وہ تقسیم کریں گے؟ ان کا حال تو یہ ہے کہ یہ دنیا کا رزق بھی تقسیم کرنے کے لائق نہیں، جب رزق تقسیم کرنے کا معاملہ آتا ہے تو اس میں نہ جانے کتنے دل میں خیالات پیدا ہوتے ہیں، کہیں اقربا نوازی پیدا ہو جاتی ہے، کہیں کرپشن آجاتی ہے، کہیں کچھ آجاتا ہے، تو جب دنیا کے رزق تقسیم کرنے کے لائق نہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت وحی کو کیسے تقسیم کریں گے؟ وہ فیصلہ تو پروردگار ہی کرتا ہے کہ کس پر وحی نازل کی جائے، تو قرآن کریم نے یہاں ''رحمة ربك'' سے مراد لیا ہے وحی الٰہی، رسالت پیغمبر۔

پیغمبروں کا سلسلہ رحمت ہے

''الرحمٰن الرحیم'' سورۃ الفاتحہ میں جو آرہا ہے کہ یہ وہ ذات ہے جو رحمت کرنے والی ہے اپنی بندوں پر، رحمت کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو صحیح اور غلط بتانے کے لئے، اچھا اور برا بتانے کے لئے، حلال وحرام بتانے کے لئے پیغمبروں کا سلسلہ جاری کرے، لہٰذا الرحمٰن الرحیم ہونے کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ اس نے اس کائنات کو چلانے کے لئے اور انسانوں کی ہدایت کے لئے پیغمبر بھیجے، اور پیغمبروں پر یقین کرنا اور ان کی بات کو ماننا یہ انسان کے لئے ضروری ہے، لہٰذا الرحمٰن الرحیم کی صفت سے باری تعالیٰ نے اسلام کے دوسرے عقیدے یعنی

رسالت اور پیغمبری کی طرف بھی اشارہ فرمادیا۔

انسانوں کی دو قسمیں

اب کیا ہوا؟ پیغمبر آگئے اور انہوں نے لوگوں کو بتادیا، دیکھو یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، یہ جائز ہے اور یہ ناجائز ہے، یہ ظلم ہے اور یہ انصاف ہے، یہ اچھا ہے اور یہ برا ہے، یہ سب باتیں پیغمبروں نے بتادیں، اب کسی نے اس پر عمل کیا، کسی نے نہیں کیا، کوئی ان کی بات مان کر نیکی کر رہا ہے، اس نے اپنے اوپر پابندی عائد کی ہوئی ہے کہ میں تو وہی کام کروں گا جس کا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے، اور اللہ کے پیغمبروں نے مجھے حکم دیا ہے، اس سے باہر نہیں جاؤں گا، ایک آدمی یہ ہے۔

دوسرا انسان

دوسرا آدمی وہ ہے جو غفلت کے عالم میں، بے پرواہی کے عالم میں زندگی گزار رہا ہے، اس کو فکر ہی نہیں ہے کہ کیا حلال ہے، اور کیا حرام ہے، کیا جائز ہے اور کیا ناجائز ہے، کیا اچھا ہے اور کیا برا ہے، کیا ظلم ہے اور کیا انصاف ہے، وہ لوگوں پر بے دھڑک ظلم بھی کرتا ہے، وہ قتل و غارت گری بھی مچارہا ہے، وہ لوگوں کا مال بھی لوٹ رہا ہے، لوگوں کی بے آبروئی بھی کر رہا ہے، خدا کی نافرمانی پر تلا ہوا ہے، دنیا میں دونوں قسم کے آدمی ہیں، اگر وہ بھی زندہ رہ کے مرجائے، اور وہ بھی زندہ رہ کے مرجائے، اور پھر حساب ہو نہیں، نیک آدمی کو کوئی صلہ نہ دیا جائے، کوئی انعام نہ دیا جائے کہ تو نے بڑا اچھا کام کیا کہ اپنے آپ پر کنٹرول رکھا، حلال طریقے سے زندگی گزاری، جائز طریقے سے گزاری، اور ناجائز طریقوں سے تو نے پرہیز کیا،

اس پر اس کو کوئی انعام نہ ملے، اور جو آدمی بے دھڑک نافرمانی کر رہا ہے، لوگوں پر ظلم کر رہا ہے، لوگوں سے مال چھین رہا ہے، ڈاکے ڈال رہا ہے، اس کو کچھ سزا نہ ملے تو کیا یہ باری تعالیٰ کی رحمت کا تقاضہ ہے؟ کہ وہ اچھے اور برے کو سب کو ایک لاٹھی سے ہانک دے، دیکھئے! کتنے ڈاکے پڑ رہے ہیں، ایک آدمی جو بیچارہ نیک ہے، پرہیزگار ہے، جائز اور حلال طریقے سے کما رہا ہے، اور بیچارہ مشکل سے اپنی زندگی گزار رہا ہے، راستے میں جاتا ہے، اور کوئی آدمی اس کا گن پوائنٹ کے اوپر مال چھین لیتا ہے، وہ چھین کر بھاگ گیا، کتنے واقعات ہوتے ہیں پولیس کسی مجرم کو پکڑتی بھی نہیں، اور کسی کو سزا بھی نہیں دیتی۔

روز جزاء کا ہونا رحمت کا تقاضہ ہے

اگر وہ بھی اپنا اللے تللے کر کے مرجائے، اور یہ بیچارہ اپنا مال چھن جانے کے باوجود پھر حلال طریقہ سے کمانے کی فکر میں رہے کہ میں حرام طریقوں سے نہیں کماؤں گا، اور مشکل کے ساتھ تنگی کے ساتھ زندگی گزار کر یہ بھی مرجائے، اور انصاف دونوں کا نہیں ہو، نہ اس کو انعام ملے، اور نہ اس کو سزا ملے، تو کیا اللہ کے انصاف کا یہ تقاضہ ہے، اللہ کی رحمت کا یہ تقاضہ ہے کہ نیک اور بد کو برابر کر دیں، جب یہ بات ہے تو اللہ ہی کی رحمت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ نیک آدمی کو انعام دے، اور بد آدمی کو سزا دے، تو لازماً یہ ضروری ہے کہ ایک وقت ایسا ہونا چاہئے جس میں نیک اور بد کا فیصلہ کیا جائے، تو اب یہ آیت کہہ رہی ہے، مالک یوم الدین وہ رحمٰن و رحیم ہے، اور رحمٰن و رحیم ہونے کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ ایک دن ایسا آئے، جس

میں نیکوں کو انعام ملے، اور بروں کا سزا ملے، وہ اس دن کا مالک ہے۔

تیسری آیت میں آخرت کی طرف توجہ

اسی طرح تیسری آیت میں ہمیں آخرت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ جب باری تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تمہیں حلال وحرام بتایا، اچھا اور برا بتایا، اب تمہارا کام یہ ہے کہ اس پر عمل کرو، کیونکہ آخرت کے اندر تمہیں اپنے ایک ایک عمل کا حساب دینا ہے مالك يوم الدين اللہ تعالیٰ مالک ہے اس روز جزاء کے دن کا، یہ ہے ان تین آیتوں کی ترتیب، قرآن کریم کا خلاصہ ہے سورۃ الفاتحہ، لہٰذا اسلام کے جو بنیادی عقائد ہیں، ان کا پہلی تین آیتوں میں اشارہ کر دیا گیا، توحید، رسالت اور آخرت، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان عقیدوں کو صحیح طریقے سے جاننے ماننے اور سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین

خطباتِ عثمانی

(۴ رجلدیں)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

کے خطبات کا دوسرا مجموعہ:

عام ایڈیشن : =/ روپے

میمن اسلامک پبلشرز

میمن اسلامک پبلشرز

E-mail : memonip@hotmail.com